ماہنامہ

میثاق

لاہور

جمادی الاوّل ۱۴۰۲ھ مطابق مارچ ۱۹۸۲ء

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور، فون:- ۸۵۲۶۱۱، ۸۵۲۶۸۳

سالانہ زرِ تعاون: -/۳۰ روپے ——— اس شمارے کی قیمت -/۴

اظہار لمیٹڈ

کے

تیار چھتیں

(پریکاسٹ کنکریٹ - پریسٹرسیڈ کنکریٹ کی مصنوعات)

گارڈر بالے اور سلیب وغیرہ

مندرجہ ذیل مقامات سے دستیاب ہیں

صدر دفتر	۶- کوثر روڈ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور۔ فون:-	۶۹۵۲۲ / ۶۱۵۱۴
فیکٹری	واقع پچیسواں کلومیٹر لاہور شیخوپورہ روڈ	
لاہور ڈپو	۱۴۷- اے 1 فیروزپور روڈ (نزد جامعہ اشرفیہ)	فون ۴۱۳۵۶۹
فیصل آباد	شیخوپورہ روڈ۔ نزد نیشنل ہوزری۔ فون معرفت:-	۵۰۷۴۴
گجرات	جی ٹی روڈ۔ کھٹالہ (نزد ریلوے پھاٹک)	
راولپنڈی	جی ٹی روڈ۔ سواں کیمپ فون:-	۶۸۱۲۷

تیار کردہ:- کنکریٹ پری کاسٹنگ لمیٹڈ

(سی۔ پی۔ ایل)

آپکو تیار چھت درکار ہے تو اطمینان کر لیجئے کہ وہ سی۔ پی۔ ایل کی بنی ہوئی ہو

إن شاء الله العزیز ——— اس سال

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

محاضراتِ قرآنی

۱۹ تا ۲۳ مارچ ۱۹۸۲ء

جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

میں منعقد ہوں گے جن کے موضوعات میں ایک اہم موضوع

مزارعت اور مضاربت

قرآن وحدیث کی روشنی میں"

بھی ہوگا جس پر کلیدی خطبات

مولانا محمد طاسین مدظلہ

صدر مجلس علمی کراچی و خویشِ مکرم مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

ارشاد فرمائیں گے!

شرکت کی دعوت عام ہے ——— اہلِ علم سے شرکت کی خصوصی استدعا ہے!

(مزید تفصیلات پشت پر ملاحظہ فرمائیں۔)

● محاضرات کی روزانہ ایک ہی نشست منعقد ہوگی جو مغرب کی نماز کے فوراً بعد شروع ہوگی اور عشاء کی نماز قدرے تاخیر کے ساتھ نشست کے اختتام پر ادا کی جائے گی۔

● روزانہ صرف ایک مقالہ پیش ہوگا اور اس پر افہام وتفہیم کے انداز میں کھلی بحث وگفتگو کا موقع فراہم کیا جائے گا تاکہ مسئلے کے جملہ پہلو سامنے آسکیں۔

● بیرون لاہور سے آنے والے حضرات کے قیام وطعام کا انتظام اکیڈمی کی جانب سے ہوگا لیکن ایسے حضرات زیادہ سے زیادہ پندرہ مارچ تک اپنے کے ارادے سے زیر دستخطی کو مطلع فرمادیں۔

(قاضی) عبدالقادر، ناظم اعلیٰ، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

علم وحکمتِ قرآنی کی نشر واشاعت کے ضمن میں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا ایک اور اہم اقدام

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ

مؤسس: آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس

کا جاری کردہ ماہوار مجلہ

حکمتِ قرآن

جس کی اشاعت ایک عرصے سے معطل تھی اب انجمن کے زیر اہتمام شائع ہوگا۔

وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۳۱ | جمادی الاوّل ۱۴۰۲ھ - مارچ ۱۹۸۲ء | عدد ۳

مشمولات

۱	عرض احوال	جمیل الرحمٰن	۴
۲	تذکرہ و تبصرہ	جمیل الرحمٰن	۱۵
۳	قرآن کی سیاسی تعلیمات	ڈاکٹر اسرار احمد	۲۳
۴	وفاقی کونسل (مجلس شوریٰ) میں شمولیت	ڈاکٹر اسرار احمد	۶۱

★

مرتبین :- (شیخ) جمیل الرحمٰن — (حافظ) عاکف سعید

★

ناشر: ڈاکٹر اسرار احمد طابع : چودھری رشید احمد

مطبع : مکتبہ جدید، شارع فاطمہ جناح، لاہور

:- مقام اشاعت :-

۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور ۱۴

فون نمبر: ۸۵۲۶۱۱ / ۸۵۲۶۸۳

عرضِ احوال

جمیل الرحمٰن

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

"میثاق" کا جمادی الاوّل ۱۴۰۲ھ مطابق مارچ ۱۹۸۲ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ الحمدللہ والمنہ اشاعت میں ایک حد تک باقاعدگی پیدا ہو گئی ہے اور دسمبر ۸۱ء سے ہر ماہ کا شمارہ اُسی ماہ شائع ہو رہا ہے۔ دُعا ہے کہ یہ باقاعدگی مستقل رہے اور ہم اس بات پر بھی جلد قابو پا جائیں کہ ہر شمارہ ہر ماہ کی ابتدائی تاریخوں میں ہی قارئین تک پہنچ جائے ــــ یہ بھی اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم ہے کہ پچھلے چھ سات ماہ سے میثاق کی اشاعت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور موجودہ شمارہ مارچ ۸۱ء کے مقابلے میں چار گنا تعداد میں شائع ہو رہا ہے۔ اگر ہمیں اللہ تعالےٰ کی تائید و نصرت اور ہمارے قارئین اور رفقاء کا تعاون اسی طرح حاصل رہا تو توقع ہے کہ ان شاءاللہ العزیز سالِ رواں ہی میں موجودہ تعداد کم از کم دوگنی ہو جائے گی۔

یہ امر بھی اللہ تعالےٰ کے تشکر و امتنان کا باعث ہے کہ بعض موقر اداروں نے ہماری اپیل پر لبیک کہتے ہوئے میثاق کے ساتھ اپنے اداروں کے مستقل اشتہارات مرحمت فرما کر دعوتِ رجوع الی القرآن اور تحریک تجدید ایمان۔ توبہ۔ تجدید عہد کے ساتھ گراں قدر تعاون فرمایا ہے ــــ ہمارے ملک میں عموماً دینی پرچے کاروباری نقطۂ نظر سے شائع نہیں ہوتے بلکہ ان کے سامنے اصل کام دعوتِ دین ہوتا ہے۔ ایسے پرچے محض خریداروں کے تعاون سے چل ہی نہیں سکتے بلکہ ان کے خساروں کو پورا کرنے والی سب سے بڑی مد اشتہارات ہی ہوتی ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ ملک کے دیگر موقر تجارتی اور صنعتی ادارے بھی اس ضمن میں میثاق کے ساتھ تعاون کریں گے۔

حکمتِ قرآن قارئین میثاق کے لئے یہ خبر یقیناً باعث مسرت ہو گی کہ "حکمت قرآن" کا ڈیکلریشن اب ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم و مغفور کی قائم کردہ "آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس" کے ارباب حل و عقد

کی رضامندی اور تعاون سے انجمن کے نام منتقل ہوگیا ہے۔ لہٰذا مستقبل قریب کے لئے یہ انتظام پیشِ نظر ہے کہ 'حکمتِ قرآن' کو خالص علمی جریدے کی حیثیت سے شائع کیا جائے اور میثاق کو دعوتی و تحریکی مقاصد کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

دعوتی سرگرمیاں

اواخر دسمبر ۸۱ء سے ۲۸ جنوری ۸۲ء تک کی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی روز افزوں دعوتی سرگرمیوں کی ایک اجمالی روداد موصوف ہی کے قلم سے فروری ۸۲ء کے میثاق میں قارئین کی نظر سے گزر چکی ہوگی۔ ان مصروفیات میں کمی کی بجائے اضافہ ہی رہا ہے۔ چنانچہ گذشتہ تقریباً ایک ماہ کی دعوتی سرگرمیوں کی اجمالی روداد حسب ذیل ہے:

۲۹ جنوری کو حسبِ معمول مسجد دارالسلام میں خطبۂ جمعہ سے قبل ایک گھنٹے کا خطاب ہوا جس کا موضوع 'رفع و نزولِ مسیح' تھا۔ یہ موضوع مزید دو جمعوں میں بھی جاری رہا۔ نمازِ جمعہ کے بعد انجمن کے سرگرم اور دیرینہ رفیق ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ کے برادر عزیز ظہیر الدین خواجہ، کا نکاح پڑھایا اور حسبِ دستور خطبۂ نکاح کی تشریح و توضیح فرمائی۔ بعد نمازِ مغرب قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد میں سورۃ زمر کا سلسلہ وار درس دیا۔ یہ درس ہر جمعہ کو اسی وقت ہو رہا ہے اور بحمداللہ ساتویں رکوع تک پہنچ گیا ہے۔ خیال رہے کہ یہ اس مسلسل درس کی کڑی ہے جس کا سلسلہ آج سے تقریباً سات سال قبل ابتدا سے شروع ہوا تھا۔ اس طرح یہ درسِ قرآن بفضلہٖ تعالیٰ ۳۹ ویں سورۃ (چوبیسواں پارہ) تک پہنچ گیا ہے ——— ۳۰ جنوری کو مسجد شہداء لاہور میں عصر و مغرب کے مابین منتخب نصاب کے سلسلۂ درس کے ضمن میں سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۹ کا درس دیا۔ نمازِ مغرب سے فارغ ہو کر سیدھے لاہور ائرپورٹ سے پشاور کے لئے روانگی ہوئی ———

پشاور: ۳۱ جنوری

بروز اتوار بعد عصر روٹری کلب پشاور کے زیر اہتمام ہوٹل انٹرکانٹینٹل میں سیرۃ مطہرہ پر تقریر کی۔ جو بعد ازاں صوبہ سرحد کے قدیم ترین اخبار 'ترجمان سرحد' میں

'دینِ اسلام ایک مکمّل نظامِ حیات ہے' کے عنوان سے شائع ہوتی - اس اجتماع میں پشاور کے معززین، اعلیٰ تعلیمیافتہ اور حکومتِ سرحد کے اعلیٰ افسران شریک تھے - اسی روز پشاور شہر میں نمک منڈی کی مدنی مسجد میں بعد نمازِ عشاء سیرتِ مطہرہ کے موضوع پر خطاب عام ہوا - حاضرین کی تعداد چار ہزار کے لگ بھگ تھی - اور شرکاء کا انہماک دیدنی تھا — پچھلے دورے میں پشاور کینٹ میں خطاب ہوا تھا اور اس مرتبہ شہر میں - اس خطابِ عام کی تنظیم اسلامی پشاور کی جانب سے معقول پلبسٹی کی گئی تھی - اسی دن صبح تنظیم اسلامی پشاور کے رفقاء کے ایک اجتماع میں شرکت ہوئی - جس میں تنظیمی اُمور اور دعوت کی توسیع کے مسائل پر تبادلۂ خیال ہوا —— سوموار یکم جنوری کو پشاور سے اسلام آباد بذریعہ کار روانگی ہوئی -

اسلام آباد - راولپنڈی

جہاں بعد نمازِ مغرب کمیونٹی سنٹر میں ڈاکٹر صاحب نے سوّرۃ حجرات کی آخری آیات کا درس دیا - چونکہ پچھلے دَورے میں یہ سوُرۃ مکمل نہیں ہوسکی تھی —— ۲ر جنوری کو صبح آرمی ایجوکیشن کور ہائی اسکول صدر راولپنڈی میں سیرت ہی کے موضوع پر تقریر ہوئی - اس اجتماع میں اسکول کے طلبہ اور اساتذہ کے علاوہ آرمی ایجوکیشن کور کے ڈائریکٹر جناب بریگیڈیئر سیّد نصیرالدین صاحب نے بھی شرکت فرمائی —— یکم جنوری کو کمیونٹی سنٹر اسلام آباد کے درس میں ڈاکٹر صاحب نے شرکاء کو دعوت دی تھی کہ جو حضرات ہمارے کام کو سمجھ کر عملی تعاون کرنا چاہتے ہیں وہ دوسرے روز بعد نمازِ عصر یہیں تشریف لے آئیں - چنانچہ الحمدللہ تقریباً سو سے زائد حضرات تشریف لائے - جن کے سامنے ڈاکٹر صاحب نے کام کا نقشہ پیش کیا - جس کے نتیجے میں طے ہوا کہ ہر ہفتے منگل کے روز اسی مقام پر انجمن خدام القرآن راولپنڈی کا اجتماع عام منعقد ہوا کرے گا - جس میں ڈاکٹر صاحب کے دروسِ قرآنِ حکیم کے کیسٹ سناتے جایا کریں گے — اسی شب کو بعد نمازِ عشاء گورنمنٹ ہائی سکول D.A.V کالج روڈ راولپنڈی میں قاری خلیل الرحمٰن صاحب مہتمم مدرسہ حفظ القرآن کے زیرِ اہتمام ایک جلسۂ عام میں سیرتِ نبوی کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب کا خطاب ہوا - اس مرتبہ بھی اسکول کا وسیع ہال تنگ دامانی کا سماں پیش کر رہا تھا اور شدید سردی کے باوجود کافی

تعداد میں لوگ ہال سے باہر کھڑے تقریر سُنتے رہے۔ دوسرے روز صبح ڈاکٹر صاحب کی لاہور مراجعت ہوئی۔ اور ۵ رجنوری بروز جمعۃ صبح ۱۰ تا ۱۱ بجے انجمن رفاہِ عام شادباغ کے زیر اہتمام ایک اجتماعِ عام میں سیرت النبیؐ پر خطاب ہوا جس کی صدارت جنرل انصاری صاحب چیرمین لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی نے فرمائی۔

دورۂ آزاد کشمیر:۔ ۷ رفروری کو صبح ۹ بجے ڈاکٹر صاحب بذریعہ کار میرپور کے لئے روانہ ہوئے۔ جہاں دو بجے یونیورسٹی کالج میں موصوف نے سیرت النبیؐ کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ رات کو قیام گاہ میں مقامی حضرات ملاقات کے لئے آتے رہے جن میں حلقہ جماعت اسلامی کے بھی معتدد اصحاب شامل تھے۔ اسی شب بعد نمازِ عشاء سیکٹر بی ۴ کی جامع مسجد میں ڈاکٹر صاحب نے سورۂ حجرات کی آیات نمبر ۱۴/۱۵ کا درس دیا۔

۸ رفروری بروز سوموار بعد نمازِ فجر کوٹلی کے لئے روانگی ہوئی، جو ایک دلکش پہاڑی مقام ہے۔ جہاں دوپہر کو یونیورسٹی کالج کوٹلی میں جناب محمد اکرم طاہر صاحب پرنسپل، کی زیر صدارت اجتماع میں سیرت ہی کے موضوع پر مفصل خطاب ہوا۔ سہ پہر کو اسلامی جمعیت طلباء نے کالج کے ہوسٹل میں ایک اجتماع کا اہتمام کیا تھا جس میں ڈاکٹر صاحب نے خطاب کیا۔ جناب چودھری محمد یوسف صاحب ناظم تعلیمات حکومت آزاد کشمیر جو اسی سہ پہر کو کوٹلی پہنچے تھے، نے بھی اس اجتماع میں شرکت کی اور ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی۔ اسی شب کوٹلی کی جامع مسجد (غوثیہ مسجد) میں ڈاکٹر صاحب نے "نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں" کے موضوع پر تقریر کی یونیورسٹی کالج کوٹلی کے لیکچرار دینیات مولانا باغ حسین صاحب اس مسجد کے خطیب بھی ہیں۔ موصوف ہی نے ڈاکٹر صاحب کو یہاں خطاب کی دعوت دی تھی۔

راولپنڈی:۔ ۹ رفروری کو صبح بذریعہ کار کوٹلی سے روانہ ہو کر ڈاکٹر صاحب راولپنڈی پہنچے جہاں موصوف نے اسٹیٹ بینک راولپنڈی میں سیرت النبیؐ پر خطاب کیا۔ رات ہی کو لاہور واپسی ہوئی۔ **لاہور:** خطبۂ جمعہ اور قرآن اکیڈمی کے درس قرآن کے معمولات کے ساتھ ساتھ ۱۴ر ۱۵ رفروری کو تنظیم اسلامی کی مجلسِ مشاورت ڈاکٹر صاحب کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ ۱۵/۱۶ر

فروری کو بعد نمازِ مغرب ٹی وی اسٹیشن لاہور میں الہدیٰ کے پروگرام کے سلسلے میں سورۃ تحریم کا درس پانچ نشستوں میں ریکارڈ کرایا۔ مزید برآں ۱۷ فروری کو صبح ساڑھے نو بجے میو ہسپتال میں ڈاکٹر صاحب نے "منشیات کی روک تھام میں اسلام کا کردار" کے موضوع پر خطاب کیا۔

مردان: اُسی روز ۱۲ بجے ڈاکٹر صاحب بذریعہ ہوائی جہاز راولپنڈی کے لئے روانہ ہوئے۔ جہاں سے بذریعہ کار سیدھے مردان تشریف لے گئے۔ اور وہاں رات کو جناب عنایت اللہ صاحب کے زیر اہتمام شہر کی ایک پرانی مسجد میں منعقدہ ایک اجتماع کو خطاب کیا جس میں تقریباً تین سو افراد شریک ہوئے۔ خطاب سے قبل محترم امام مسجد کے حجرے میں ایک نشست رہی۔ جس میں مردان کے ڈی سی جناب عبدالحمید صاحب، گورنمنٹ کالج کے پرنسپل جناب اطہر زبیری صاحب اور مردان کی دوسری مساجد کے اکثر ائمہ وخطباء حضرات تشریف لائے تھے۔ پشاور سے تنظیم کے تین رفقاء بھی مردان پہنچے ہوئے تھے ——— ۱۸ فروری کی صبح جناب اطہر زبیری صاحب، پرنسپل گورنمنٹ کالج مردان کی دعوت پر کالج کے کنووکیشن میں بحیثیت مہمان خصوصی شرکت کی اور بی اے اور بی ایس سی میں کامیاب ہونے والے طلباء میں اسناد تقسیم کیں۔ نیز عظمتِ قرآن اور حقیقتِ علم کے موضوع پر ایک موثر خطاب فرمایا۔ بعد دوپہر بذریعہ کار پشاور روانگی ہوئی۔ جہاں جسٹس کریم اللہ دُرّانی مرحوم کے پسماندگان سے اُن کے گھر جاکر تعزیت کی۔

کراچی: ۔ ۱۸ فروری ۸۱ء کی سہ پہر کو ڈاکٹر صاحب پشاور سے ہوائی جہاز کے ذریعے براہِ راست کراچی تشریف لے گئے ائرپورٹ پر پی آئی اے کے سینئر آفیسر جناب یوسف شیخ اپنے ساتھیوں کے ساتھ موجود تھے۔ ہمارے چند رفقاء اور جناب نیاز احمد خاں صاحب سینئر ایڈووکیٹ ہائی کورٹ بھی آئے ہوئے تھے۔ قیام طعام کا انتظام پی آئی اے کی طرف سے کیا گیا تھا۔ رات کو ساڑھے نو بجے پی آئی اے کے زیر اہتمام منعقدہ ہونے والے سیرت النبیؐ کے جلسۂ عام میں شرکت کے لئے پی آئی اے کالونی تشریف لے گئے۔ بہت بڑا پنڈال تھا۔ جس میں اسٹیج کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ تقریباً سوا گیارہ بجے ڈاکٹر صاحب کی باری آئی تقریرات کو ایک

بجے تک جاری رہی - حاضرین کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی — جمعہ کو آٹھ بجے کی فلائٹ سے لاہور مراجعت ہوئی اور دس بجے صبح تک ڈاکٹر صاحب قرآن اکیڈمی پہنچ گئے۔

لاہور: - یہاں آتے ہی ڈاکٹر صاحب جمعہ کی تیاری میں لگ گئے — ساڑھے گیارہ بجے مسجد دارالسلام لاہور میں خطاب جمعہ ہوا - جس میں قربِ قیامت تشریف لانے والی اُس شخصیت کی تشریف آوری کے متعلق احادیث سے روشنی ڈالی جن کی زیر قیادت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کے مطابق ان شاء اللہ اسلام بحیثیت دین یعنی نظام حیات پورے کرہ ارضی پر غالب ہو گا — نیز اہل تشیع اور اہل سُنّت میں موعودہ شخصیت کی تشریف آوری یا ظہور کے متعلق جو اختلافات ہیں ان کو واضح کیا — نمازِ جمعہ کے بعد جسٹس کریم اللہ دُرّانی کی مغفرت کے لئے نہایت الحاح وزاری کے ساتھ اجتماعی دعا کرائی — جمعہ ہی کو بعد نماز مغرب قرآن اکیڈمی میں سورۃ الزمر کے ساتویں رکوع کی ابتدائی چار آیات کا ڈیڑھ گھنٹے تک درس دیا - اس کے بعد کچھ دیر سوال وجواب کا سلسلہ جاری رہا — ہفتہ بھر ایک دن میں دو دو اور تین تین تقاریر کرنے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کا گلا بالکل جواب دے گیا تھا بنا بریں ہفتہ ۲۰ر فروری کو مسجد شہداء کے درس کا ناغہ کرنا پڑا - اتوار (۲۱ر فروری) کو NIPA لاہور میں لیکچر دیا اور رات کی ساڑھے دس بجے کی فلائٹ سے ڈاکٹر صاحب کراچی تشریف لے گئے - جہاں سیرت النبیؐ کے موضوع پر چند خطابات ہوں گے — وہیں سے ڈاکٹر صاحب رحیم یار خاں اور خان پور جائیں گے جہاں خطابات ہوں گے - پھر کراچی ہی واپس ہوگی - جہاں پھر چند تقاریر ہوں گی اور وہاں ۲۶ر فروری کو قبل خطبہ جمعہ جامع مسجد ناظم آباد بلاک ۴ میں خطاب کریں گے - انشاء اللہ ۲۷ر فروری بروز ہفتہ لاہور مراجعت ہوگی - اس دورے کی اجمالی روداد اللہ نے چاہا تو آئندہ شمارے میں پیش خدمت ہوگی -

پشاور کے دورے میں جناب قاضی عبدالقادر صاحب ناظم اعلیٰ انجمن وقیم تنظیم اسلامی ہمارے رفیق حق نواز صاحب بلتستانی کے ساتھ مکتبہ لے کر پہلے ہی پہنچ گئے تھے - پشاور میں کتابوں کی ریکارڈ سیل ہوئی - پہلے دورے

میں بھی جو اواخر دسمبر ۸۱ء میں ہوا تھا - کافی تعداد میں کتابیں نکلی تھیں - اس مرتبہ تو پچھلا ریکارڈ بھی ٹوٹ گیا حالانکہ ڈاکٹر صاحب کے چھ سات کتابچے ختم ہو جانے کی وجہ سے موجود نہیں تھے - اسلام آباد اور پنڈی میں بھی مکتبہ لگایا گیا۔ ۷ رتا ۹ر فروری کے دورۂ آزاد کشمیر میں بھی ہر اجتماع میں مکتبہ لگایا گیا اور وہاں بھی کتابوں کی معقول نکاسی ہوئی - اس سفر میں جناب محترم قاضی عبدالقادر صاحب اور ہمارے رفیق وقار احمد صاحب، ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ تھے ——

۱۷ر فروری کو مردان اور کراچی کے سفر میں ہمارے رفیق عبدالرزّاق صاحب نائب قیمّ تنظیم اسلامی ڈاکٹر صاحب کے ہمسفر رہے - مردان میں بھی مکتبہ لگایا گیا اور وہاں بھی کافی تعداد میں کتابیں نکلیں — ڈاکٹر صاحب کی جو کتابیں ختم ہو چکی ہیں ان کی فوری طباعت کا کام شروع ہو چکا ہے - نیز چند نئی مطبوعات - (تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماعات کی روداد یں) کی طباعت کی تیزی سے تیاری ہو رہی ہے — دوروں کے یہ مختصر کوائف محترم قاضی صاحب اور عبدالرزّاق صاحب کے تعاون سے مرتب کئے گئے ہیں -

اعتدال کی ضرورت

یہ بڑھتی ہوئی مصروفیات جن کا ایک اجمالی نقشہ اس مختصر روداد سے قارئین کے سامنے آیا ہے - ڈاکٹر صاحب کی صحت پر کافی اثر انداز ہو رہی ہیں - اور کیفیت یہ ہوتی ہے کہ عموماً خطابات دو دروس کے بعد تقریباً ڈاکٹر صاحب کا گلا جواب دے جاتا ہے - اور اکثر حرارت رہتی ہے - جب کبھی بھی ڈاکٹر صاحب کو کسی ادارے یا شہر سے اپنا پیغام پیش کرنے کی دعوت ملتی ہے تو ڈاکٹر صاحب اپنے پیغام کی توسیع کے جذبے اور مروّت کے باعث ایسی دعوت کو رد نہیں کر پاتے اور اس طرح یہ بوجھ بڑھتا جاتا ہے - چنانچہ اس صورتِ حال میں اعتدال پیدا کرنے کے لئے ایک کمیٹی حال ہی میں تشکیل دی گئی ہے - جو ڈاکٹر صاحب کے پروگراموں کی منظوری دیا کرے گی اور باصرار ڈاکٹر صاحب کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ براہِ راست دروس و تقاریر اور بیرونِ لاہور دوروں کی کوئی دعوت قبول نہیں کریں گے - لہٰذا اب اس کام کے لئے جناب قاضی عبدالقادر صاحب ناظم

اعلیٰ، انجمن خدام القرآن) سے رجوع کرنا ضروری ہوگا۔ اور موصوف کمیٹی کے مشورے سے ڈاکٹر صاحب کے پروگرام کی منظوری دیا کریں گے۔

دروس خطابات کے کیسٹ

الحمد للہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دروس وخطابات کے بے شمار کیسٹ تیار ہوچکے ہیں۔ موضوعات کی فہرست اتنی طویل ہوگئی ہے کہ وہ میثاق کے پانچ چھ صفحات گھیرے گی لہٰذا اس فہرست کو علیحدہ طبع کرا لیا گیا ہے۔ دعوت کی تبلیغ تفہیم اور توسیع کے لئے یہ کیسٹ ان شاء اللہ بہت ممد ومعاون ہوں گے۔ جو حضرات اس میں دلچسپی رکھتے ہوں ان سے التماس ہے کہ ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر یا فون کے بذریعے یہ فہرست مندرجہ پتوں میں سے کسی ایک سے طلب فرمالیں:۔

(i)۔ نشر القرآن سیریز: قرآن اکیڈمی ۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن، لاہور نمبر ۱۴ (فون نمبر ۸۵۲۶۱۱)

(ii) شائننگ ٹریڈرز رفیع مینشن بالمقابل آرام باغ - کراچی ۱، فون نمبر ۲۱۴۷۰۹)

توقع ہے کہ یہ خبر بھی قارئین کے لئے باعث مسرت ہوگی کہ E.M.I کے ادارے نے ڈاکٹر صاحب کے سورہ حدید کے مکمل درس کے ۶۰ C کے پانچ کیسٹ تیار کر کے ملک کے طول وعرض میں کیسٹوں کے ڈیلروں میں پھیلا دیئے ہیں۔ ان شاء اللہ اسی ادارے کی جانب سے ڈاکٹر صاحب کے قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے مکمل دروس کے کیسٹ بھی جلد مارکیٹ میں آجائیں گے۔ اس سلسلہ میں کراچی کے لطف اللہ خاں صاحب نے گراں قدر تعاون کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر سے نوازے۔ انجمن کے مکتبے کی فہرست بھی علیحدہ طبع کرالی گئی ہے۔ وہ بھی مکتبہ انجمن سے طلب کی جاسکتی ہے۔

انجمن کا سالانہ اجلاس

ان شاء العزیز مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا دسواں سالانہ اجلاس بتاریخ ۲۳ مارچ ۸۲ء (جس روز عام تعطیل ہوگی)، بروز منگل بوقت دس بجے صبح - قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوگا۔ دستور اور ضوابط کی کارروائی کے ساتھ ہی آئندہ دو سال کے لئے انجمن کی مجلس منتظمہ کا انتخاب بھی عمل میں آئے گا۔ امید ہے کہ انجمن کے مؤسسین

ومحبین اور مستقل دعام اراکین اس اجتماع میں شرکت کا خصوصی اہتمام فرمائیں گے۔

تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع

تنظیم کی مجلسِ مشاورت نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۴ - ۱۵ر فروری ۸۲ء میں تنظیم کے ساتویں اجلاس کے لئے ۳۰ر اپریل تا ۴ر مئی ۸۲ء کی تاریخیں مقرر کی ہیں - بیرونِ لاہور کے رفقاء سے التماس ہے کہ وہ ۳۰ر اپریل بروز جمعہ صبح لاہور پہنچنے کی کوشش کریں تاکہ خطاب جمعہ میں شرکت ہو سکے - اجتماع کا آغاز ۳۰ر اپریل کو بعد نماز مغرب قرآن اکیڈمی میں امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے افتتاحی خطاب عام سے ہوگا - تفصیلی پروگرام سے ان شاءاللہ جلد ہی محترم قیم تنظیم رفقاء کو مطلع کر دیں گے - اس موقع پر اس کا تذکرہ اس لئے کر دیا گیا ہے کہ رفقاء ان دنوں کو فارغ رکھنے کے لئے ابھی سے مناسب اقدامات کر سکیں۔

محاضراتِ قرآنی

گذشتہ سال "مرکزی انجمن کی منتظمہ نے یہ طے کیا تھا کہ امسال بجائے تین چار روز کی قرآن کانفرنس کے مارچ کے آخر میں ہفت روزہ علمی مجالس مذاکرہ منعقد کی جائیں گی" چنانچہ اسی فیصلے کے تحت ۲۳ تا ۳۱ر مارچ ۸۱ء قرآن اکیڈمی میں محاضراتِ قرآنی (QUNAIC SEMINARS) کے نام سے ان مجالسِ علمی کا انعقاد ہوا اور یہ پروگرام ۹ دن تک جاری رہا - (ان محاضرات کی ایک مختصر رپورٹ اپریل ۸۱ء کے شمارے میں شائع کی جا چکی ہے -)

اس سال بھی انجمن کی مجلسِ منتظمہ نے یہ طے کیا ہے کہ سابقہ سال کی طرح اعلیٰ علمی پیمانے پر محاضرات (SEMIAARS) کا اہتمام کیا جائے یہ محاضرات ان شاءاللہ العزیز ۱۹ر تا ۲۳ر مارچ قرآن اکیڈمی ہی میں منعقد ہوں گے - جن میں قرآن حکیم کی حکمت و تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر مضامین پیش کئے جائیں گے - اور ان پر اہلِ علم و دانش کے مابین مذاکرہ ہوگا - توقع ہے کہ اس سال پاکستان کے علاوہ بھارت کے بھی چند اصحاب علم و فضل ان محاضرات میں شرکت کریں گے اور اپنے مقالے پیش فرمائیں گے -

ان محاضرات کا تفصیلی اعلان اس شمارے کے آغاز میں موجود ہے -

ایک ضروری گذارش

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے تنظیم اسلامی کے پانچویں سالانہ اجتماع (اپریل ۸۰ء) کے موقع پر ۲۳ اپریل ۸۰ء کو جناح (ٹاؤن) ہال لاہور میں "اسلام کا پیغام - مسلمانانِ پاکستان کے نام" کے موضوع پر ایک خطابِ عام فرمایا تھا - اس تقریر کے کیسٹ ریکارڈ میں موجود نہیں ہیں - اگر قارئینِ میثاق میں سے کسی کے پاس یہ تقریر محفوظ ہو تو ان سے گذارش ہے کہ وہ راقم الحروف سے رابطہ فرمائیں - کیسٹ سے نقل تیار کرا کے یہ واپس کر دیا جائے گا۔

کراچی میں اجتماعات

الحمد للہ کراچی میں نئے قائم شدہ آفس کمرہ ۱۱ داؤد منزل نز آرام باغ شاہراہِ لیاقت میں ہر جمعہ کو صبح ۹½ سے ۱۱½ بجے تک اور ہر سوموار کو بعد نمازِ مغرب اجتماعات منعقد ہوتے ہیں - جن میں ڈاکٹر صاحب کے دروس اور تازہ ترین خطبات جمعہ کے کیسٹ سنائے جاتے ہیں - مزید براں درس حدیث اور مطالعہ سیرتِ مطہرہ نیز مطالعہ فقہ کا بھی انتظام ہوتا ہے - کراچی کے قارئین میثاق اور دعوت رجوع الی القرآن، تحریکِ تجدیدِ ایمان - توبہ تجدیدِ عہد سے وابستگی رکھنے والے حضرات سے ان میں شرکت کی درخواست ہے۔

اعتذار

اس شمارے کے صفحات کے اضافے کے باوجود عرض احوال اور محترم ڈاکٹر صاحب کی تقاریر کی طوالت کی وجہ سے اس میں ٹی وی کے سلسلہ تقاریر "الکتاب" اور "رسول کامل" کے اقساط اور کتب پر تبصرہ شامل نہیں کیا جا سکا - ان شاء اللہ یہ آئندہ شمارہ میں پیش خدمت ہوں گی۔

ہارڈ ویئر، مشینری، ورکشاپ ٹولز، گرائنڈنگ ویل، سٹیل وائیر روپ

اینڈ مل سٹور مرچنٹ

نظام سنز

نظام منزل ۵۹ نشتر روڈ، لاہور

ٹیلیفون: ۶۲۴۰۲۰

نظام بیمی

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ

فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ

وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

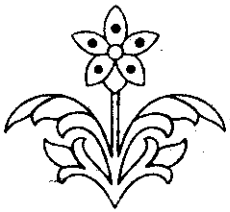

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲- ایمپریس روڈ لاہور

جمیل الرحمٰن

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تذکرہ و تبصرہ

لمحۂ فکریہ کسی ملک کی فلاحی اور صحت مند اقدار پر تعمیر میں ذرائع ابلاغ بہت ہی موثر کردار ادا کرتے ہیں - خاص طور پر اس میں صحافت بھی ایک نہایت اہم اور موثر عامل (FACTOR) ہے - لیکن یہ بات اپنی جگہ ایک دردناک حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں عموماً صحافت وہ صحت مندانہ کردار ادا نہیں کر رہی جسے دین اور ملک کی خیر خواہی کا کردار کہا جا سکے ہمارے ملک میں گنتی کے ایسے جریدے ہوں گے جنہوں نے واقعتاً سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ملت پاکستان کی تطہیر افکار اور تعمیر کردار کی خدمت کی انجام دہی کو اپنا نصب العین بنا رکھا ہو — اخبارات کی روش تو الا ماشاء اللہ یہ نظر آتی ہے کہ خبروں میں زیادہ سے زیادہ سنسنی پیدا کی جائے اور معاشرے کے مختلف طبقات میں افتراق و انتشار کو ہوا دی جائے اور گروہی عصبیتوں کو ابھارا جائے - نیز جس اخبار کے نزدیک کوئی شخصیت ناپسندیدہ ہو تو اس کے خلاف خبروں میں کتر بیونت کر کے اور اپنے فکاہی کالموں میں اُسے تضحیک کا نشانہ بنا کر رائے عامہ کو متاثر کر کے اسکی شخصیت کو مجروح کیا جائے - اسکی شکایت عام طور پر ملک کے اکثر زعماء کو رہی ہے - اس کی تازہ ترین مثال بیگم رعنا لیاقت علی خان کا وہ بیان ہے جو نوائے وقت لاہور کی ۲۰ فروری کی اشاعت میں شائع ہوا ہے جس میں مذکور

ہے کہ :-

"بیگم رعنا لیاقت علی خاں نے کہا ہے کہ گذشتہ دنوں کراچی کے ایک انگریزی ہفت روزہ نے اُن کا جو انٹرویو چھاپا اُس میں حقائق کو توڑ مروڑ کر بیان کیا ہے اور بعض ایسی باتیں ان سے منسوب کی گئی ہیں جو انہوں نے سرے سے کہی ہی نہیں - یہ بات گذشتہ روز بیگم صاحبہ کے سیکرٹری نے نوائے وقت کو ٹیلیفون پر بتائی اور کہا کہ بیگم صاحبہ پہلے ہی اخباری انٹرویو دینے سے گریز کرتی تھیں - تاہم تازہ ترین تجربے کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ آئندہ کسی بھی سیاسی یا نیم سیاسی موضوع پر کوئی انٹرویو نہیں دیں گی - کیونکہ اس انگریزی ہفت روزہ نے ان کی باتوں کو غلط انداز میں پیش کر کے ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان میں غیر ذمہ دارانہ صحافت عام ہے ....."

معاملہ انٹرویو میں حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی محترمہ بیگم رعنا لیاقت علی خاں صاحبہ کی شکایت تک محدود نہیں ہے بلکہ ہمارے اکثر زعماء کو اخبارات سے یہی شکایت رہتی ہے کہ ان کے لکھے ہوئے بیانات تک میں کتر بیونت کی جاتی ہے - جب حال یہ ہو تو قیاس کیا جا سکتا ہے - کہ کسی تقریر یا خطاب کی رپورٹنگ میں حسب منشاء کیا کچھ مرچ اور مصالحہ نہ ملایا جاتا ہوگا - اور تَاوِیْلُ الْقَوْلِ بِمَا لَا یَرْضٰی بِہٖ قَائِلُہٗ (کسی کی بات کی وہ تاویل کرنا جو کہنے والے کی بات کی مرضی کے خلاف ہو -) کا کیا کچھ مظاہرہ نہیں کیا جاتا ہوگا - !

اس کی نہایت افسوس ناک مثال یہ ہے کہ ۱۵ جنوری ۸۲ء کو خطاب جمعہ میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنا وہ موقف بیان کیا تھا جس کے پیش نظر انہوں نے مجلس شوریٰ (وفاقی کونسل) کی رکنیت قبول کی تھی - اسی تقریر میں بر سبیل تذکرہ مولانا مودودی مرحوم و مغفور کے طرز عمل سے اختلاف کا بھی اظہار کیا تھا - جو مرحوم نے پاکستان کی پہلی حکومت کے ساتھ اختیار کیا تھا - ڈاکٹر صاحب نے اس ضمن میں اپنی اس تقریر میں جو کچھ بیان کیا تھا وہ من و عن ٹیپ سے منتقل کر کے اس شمارے میں پیش کیا جا رہا ہے اس بیان میں مولانا مودودی سے متعلق حصے کو تَاوِیْلُ الْقَوْلِ

بمالا یرضیٰ بہٖ قائلہٗ مطابق مختلف معانی پہنا کر جس طرح ہمارے ملک کے اخبارات نے سرخیاں لگا کر شائع کیا ہے وہ یہ ہیں :-

- مولانا مودودی نے خدمتِ دین کے بجائے محاذ آرائی کی روش اختیار کر لی تھی !
- جماعتِ اسلامی نے مسلمان حکمرانوں سے محاذ آرائی کی روش اختیار کئے رکھی - !
- مولانا مودودی پر ڈاکٹر اسرار کے اعتراضات - !

اسی طرح ایک کالعدم جماعت کے ترجمان نے جو اسلامی اقدار کے حامل ہونے کی مدعی بھی ہے - ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خلاف جو بیان دیا ہے اور اس پر چند اخبارات نے جو سُرخیاں لگائی ہیں - اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے :-

- "ڈاکٹر اسرار آدمی دلچسپ ہیں - بس علاج ضروری ہے - وہ مولانا مودودی کی مخالفت کر کے سیاسی فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں - کالعدم جماعتِ اسلامی کے ترجمان کا بیان"
- "ڈاکٹر اسرار احمد کو مولانا مودودی مرحوم کا تصور اکثر پریشان کرتا رہتا ہے - وہ نفسیاتی علاج کے مستحق ہیں - جماعتِ اسلامی کے ترجمان کا بیان"

اس معاملے میں اخبارات سے کیا شکوہ کریں - یہ سُرخیاں تو کالعدم جماعتِ اسلامی کے ترجمان ہی کے بیان سے اخذ کی گئی ہیں - چونکہ ترجمان موصوف کے محولہ بالا بیان میں یہ الفاظ شامل ہیں کہ

"انجمن خدام القرآن کے سربراہ ڈاکٹر اسرار احمد بڑے دلچسپ آدمی ہیں - وہ برسوں پہلے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے الگ ہو گئے مگر آج بھی وہ جدھر قدم بڑھاتے ہیں اُن کے سامنے مولانا کی شخصیت آجاتی ہے - ڈاکٹر صاحب اپنے غصے کا اظہار کرتے ہیں، وہ کچھ نہ کچھ گہرا فشانی کرتے رہتے ہیں - وہ کئی دوسرے بزرگوں کی طرح اتنے پر اکتفا نہیں کر سکے کہ ایک بار کھل کر اپنے دل کا بخار نکال لیں پھر ذہن کو فارغ کر کے اپنے پسندیدہ نہج پر کام میں لگ جائیں - قدم بہ قدم اور نفس بہ نفس اُنہیں مولانا مودودی کا تصور پریشان کرتا ہے - ہم نے اس لئے کبھی تعرض نہیں کیا کہ یہ معاملہ بکر نفسیاتی ہے - ڈاکٹر اسرار درحقیقت نفسیاتی علاج کے مستحق ہیں ....." — یہ اس طویل بیان کا ابتدائی حصہ ہے -

اس پورے بیان کا اُسلوبِ نگارش نہایت جارحانہ، تند و تلخ اور تمسخر و استہزاء سے معمور ہے ۔ یہ انداز ایک دینی جماعت کے ترجمان کے مقام سے کسی درجے میں مناسبت نہیں رکھتا، اُس پر مستزاد یہ ہے کہ اس بیان کی بنیاد محض اخباری رپورٹ کو بنایا گیا ہے جبکہ یقیناً اُن کو اس بات کا بارہا تجربہ ہوا ہو گا کہ اخبارات کی رپورٹنگ میں کس قدر جانب داری، مبالغہ آمیزی اور عدم اعتدال پسندی ہوتی رہتی ہے ۔ اور اکثر و بیشتر مثبت بات کو بیان کرنے کے بجائے صرف منفی پہلو کو نمایاں کیا جاتا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر میں مولانا مودودی مرحوم سے متعلق حصّے کے ساتھ بھی رویّہ اکثر اخبارات کی طرف سے بھی اختیار کیا گیا ہے کہ محض منفی پہلو کو خبر میں جگہ دی گئی ہے اور اس میں بھی بعض وہ الفاظ شامل کئے گئے ہیں جو ڈاکٹر صاحب نے نہیں کہے تھے اور اس مسئلہ سے متعلق ان کے اظہار رائے کو وہ مفہوم دیا گیا ہے جو ان کے پیش نظر نہیں تھا ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کی پوری تقریر کے مطالعے سے یہ بات انشاء اللہ مبرہن ہو کر قارئین کے سامنے آجائے گی جو اس شمارے میں شامل کی جا رہی ہے ۔ اس کا کیسٹ بھی موجود ہے جو حضرات مزید اطمینان کرنا چاہیں وہ اسے حاصل کر سکتے ہیں ۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب دسمبر سے قبل تین چار جمعوں میں "قرآن حکیم کی سیاسی تعلیمات" کے موضوع پر اظہار خیال کرتے رہے ہیں ۔ جن کا خلاصہ ۱۳ر نومبر ۸۱ء کے خطاب جمعہ میں موصوف نے بیان کیا تھا جو اسی شمارے میں قارئین کی نگاہ سے گزرے گا ۔۔۔ اِن تقاریر میں ڈاکٹر صاحب نے مولانا مودودی مرحوم کی اُن خدمات پر خراجِ تحسین پیش کیا ہے جو مرحوم نے نہایت مدلّل و مؤثر طور پر اسلام کے سیاسی نظام کو پیش کرنے کے سلسلے میں کی تھیں ۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک خطاب میں تو یہاں تک اظہار خیال کیا ہے کہ آج کے اس مادّہ پرستانہ دَور میں ہمارے تعلیمیافتہ حضرات میں اسلام کے ایک مکمل نظامِ حیات ہونے پر یقین اور اس بات کو دوسروں کے سامنے پیش کرنے کا جو اعتماد نظر آ رہا ہے اُس میں غالب حصّہ

میثاق سے متعلق خط و کتابت میں خریداری نمبر کا حوالہ دینے کی درخواست ہے

(contribution) مولانا مودودی مرحوم کا ہے نیز ڈاکٹر صاحب نے مولانا مودودی مرحوم کے وضع کردہ اصطلاح (THEO-DEMOCRACY) کی تعریف کرتے ہوئے اور اس کو اسلامی نظام سیاست کے فکر، فلسفے اور اس کے وظیفہ (FUNCTION) کی صحیح ترین تعبیر قرار دیا ہے۔ (ان خطابات کے کیسٹ بھی موجود ہیں)

مولانا مودودی مرحوم کی جن پالیسیوں اور جن بعض افکار سے ڈاکٹر صاحب کو اختلاف رہا ہے اُس کا اظہار اس سے قبل بھی وہ اپنی بعض تقریروں میں ضمناً اور بعض تحریروں میں استدلال کے ساتھ کر چکے ہیں جماعت اسلامی سے ڈاکٹر صاحب کی علیحدگی انہی نظریاتی اختلافات کی بنیاد پر ہوئی تھی۔ اس سے پہلے اغلباً کالعدم جماعت اسلامی کے کسی ترجمان نے ان باتوں سے اس لئے تعرض نہیں کیا کہ اُس وقت تک ڈاکٹر صاحب کی دعوتِ رجوع الی القرآن اور تحریک جدید ایمان۔ توبہ۔ تجدید عہد نے قبول عام حاصل نہیں کیا تھا۔ اب جبکہ تائید و نصرتِ الٰہی سے یہ فکر ہمارے اکثر تعلیمیافتہ حضرات کو متاثر کر رہا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو اپنے موقف کی بے بضاعتی کا احساس دامنگیر ہو رہا ہے۔!

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جن جماعتوں نے اسی مارشل لاء کی غیر نمائندہ حکومت میں وزارتیں تک قبول کی ہیں اُنہی میں سے ایک جماعت "وفاقی کونسل (مجلس شوریٰ) کے قیام اور خاص طور پر اس میں ڈاکٹر صاحب کی شمولیت پر خاصی ناخوش نظر آتی ہے۔ حالانکہ خود ڈاکٹر صاحب اس کی تشکیل سے قبل کہہ چکے ہیں کہ ان نزدیک کوئی نامزد ادارہ کسی منتخب ادارے کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ اس ملک میں انتخابات کا عمل جاری رہنا اس ملک کے مفاد میں از بس ضروری ہے جیسا کہ ۱۲ نومبر ۸۱ء والی تقریر میں قارئین ملاحظہ فرمائیں گے۔

کونسل کی رکنیت قبول کرنے کے متعلق ڈاکٹر صاحب کا نقطہ نظر اور موقف اُن کی ۱۵ جنوری ۸۲ء کے جمعے کی تقریر اور کونسل کے افتتاحی اجلاس کے خطاب سے (جو فروری کے شمارے میں شائع ہوا ہے) بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ کونسل میں شمولیت کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کے نقطہ نظر، موقف اور استدلال سے اتفاق ہی کیا جائے۔ اس سے

اختلاف کرنے کا ہر باشعور شخص کو پورا پورا حق حاصل ہے لیکن اختلاف کے بھی کچھ شرائط حدود اور آداب ہوتے ہیں جن کو ملحوظ رکھنا صحت مند صحافت کے لئے ناگزیر ہے۔ خبر اور بیانات میں حک و اضافہ کتر بیونت اور توڑ مروڑ صحافت کے اخلاق کے منافی ہے ہر اخبار کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ مختلف فیہ مسائل کے بارے میں استدلال کے ساتھ ادارتی کالموں سے اظہار خیال کرے اور اپنا نقطہ نظر پیش کرے، اصولی اختلاف پر متین و سنجیدہ تعمیری اور مخلصانہ تنقیدیں رائے عامہ کی تربیت کا ذریعہ بنتی ہیں۔ لیکن لوگوں کے بیانات یا تقریروں کی اشاعت میں ایسا انداز اختیار کرنا جس کا مظاہرہ عموماً صحافت میں نظر آتا ہے غیر صحت مندانہ بلکہ ملک و ملت کے عظیم مفاد کے منافی ہے۔ یہ طرز عمل اختلاف کو مخالفت، گروہی عصبیت اور انتشار و افتراق کا سبب بناتا ہے جو ہماری مملکت کیلئے جو خالصتاً عطیہ الٰہی ہے اور جو اس لئے عطا کی گئی ہے کہ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ط سم قائل ہے۔ ہماری صحافت کی عام روش یہ نظر آتی ہے کہ وہ اختلاف کو ہوا دیکر اسے مخالفت اور تخریب کا رنگ دیتی ہے۔ فکاہی کالموں میں ان شخصیتوں کو تضحیک کا نشانہ بنانا جن سے اختلافات ہوں ایک اعلیٰ قدر سمجھا جاتا ہے۔ اس تمام طرز عمل میں شدید اصلاح کی ضرورت ہے۔

جب نظریاتی اور علمی اختلاف کا تذکرہ آ ہی گیا ہے تو یہ عرض کرنا بھی بے محل نہیں ہوگا کہ ہمارے قابل قدر اور قابل صد احترام بزرگوں میں جن میں آئمہ دین اور رجال دین بھی شامل ہیں نظریاتی اور علمی اختلافات رہے ہیں۔ اور تو اور خود مولانا مودودی مرحوم نے بعض ائمہ کی فقہی آرا اور اجتہادات اور مجددین امت کے بعض اقدامات حتیٰ کہ بعض اجل صحابہ کرامؓ کی آرا اور حکمت عملی سے اختلافات کا اظہار کیا ہے اور تنقیدیں بھی کی ہیں پھر کیا مولانا مودودی مرحوم کو یہ مقام حاصل ہے کہ ان کی آرا ان کے نظریات افکار اور اقدامات اور ان کا سیاسی موقف ہر اختلاف اور ہر تعبیری تنقید سے بالا تر ہیں! چاہے وہ اخلاص اور جذبہ خیر خواہی پر مبنی ہو!! بلاشبہ تجدید دین اور احیائے اسلام کے لئے مولانا مرحوم نے نہایت گراں قدر اور اعلیٰ خدمات انجام دی ہیں۔ لیکن جب علمائے اہل سنت خطائے

اجتہادی کے امکان سے صحابہ کرامؓ کو بھی مبرا نہیں سمجھتے اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ معصومیت صرف خاصۂ نبوت ہے اور یہ عقیدہ ایمان کا لازمی جزو ہے۔ وہ معصومیت کو بھی خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم سمجھتے ہیں جن کا عقیدہ اور ایمان یہ ہے کہ نبوت کے ساتھ معصومیت کا دروازہ بھی ابدالآباد تک بند ہو گیا ہے تو مولانا مودودی مرحوم کا یہ مقام کیسے سمجھا جا سکتا ہے !!! جن حضرات کے تحت الشعور میں بھی یہ بات ہو ان کو ہمارا مخلصانہ اور ہمدردانہ مشورہ یہ ہے کہ وہ اس غلط نقطۂ نظر اور فکر کی اصلاح کی طرف توجہ دیں۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

ایک اہم گذارش اخبارات کی خبروں اور کالعدم جماعتِ اسلامی کے ترجمان کے بیان سے متاثر ہو کر بعض حضرات نے نہایت دلسوزی اور ہمدردی کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی اس "مبینہ" غلطی پر توجہ دلائی ہے اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ بعض حضرات نے انتہائی تند و تلخ تنقید کی ہے اور غیظ و غضب کے اظہار کے ساتھ دھمکیاں بھی دی ہیں۔ دونوں قسم کے خطوط کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ ایسے تمام حضرات کو فرداً فرداً جواب لکھنا کافی مشکل ہے۔ ان سب حضرات کو میثاق کا یہ شمارہ "ہدیۃً" ارسال کیا جا رہا ہے۔ ان سے درخواست ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب کی تقاریر کا بالاستیعاب مطالعہ فرمالیں اور اگر ممکن ہو تو فروری کا شمارہ بھی حاصل کر کے اس میں وہ تقریر بھی ملاحظہ فرمالیں جو موصوف نے مجلس شوریٰ (وفاقی کونسل) کے افتتاحی اجلاس میں کی تھی۔ اس طرح ان کے سامنے ان شاء اللہ ڈاکٹر صاحب کا موقف سامنے آجائے گا۔ اس کے بعد بھی افہام و تفہیم کے لئے ایسے حضرات خط و کتابت ضروری سمجھیں تو اس کا خیر مقدم کیا جائے گا اور کوشش کی جائے گی۔ کہ ان کے خطوط کا فرداً فرداً جواب دیا جائے یا اگر ضرورت لاحق ہو تو آئندہ میثاق میں ایسے امور پر مزید اظہار خیال کر دیا جائے۔

طرفہ تماشا زیرِ نظر مضمون کی تکمیل کے بعد کتابت کا آخری مرحلہ جاری تھا کہ ۲۱ فروری ۸۲ء کے روزنامہ جنگ، لاہور میں یہ خبر

نظر سے گزری ہے کہ محترمہ رعنا لیاقت علی خاں کے سیکرٹری نے 'نوائے وقت' لاہور میں شائع شدہ اپنے تردیدی بیان کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ انہوں نے اس قسم کا کوئی بیان نہیں دیا۔ ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے۔

اخبار بین حضرات کے لئے بڑا عجیب معاملہ ہے کہ وہ پہلے تردیدی بیان کو صحیح سمجھیں یا تردید کی تردید کو درست قرار دیں۔ یہی ایک مثال ہماری صحافت کے معیار کو واضح کرنے کے لئے کافی ہوگی۔

ایک مزید خبر: اسی مرحلے پر روزنامہ جنگ کی اسی اشاعت میں ایک اور خبر نظر سے گذری جو بلا تبصرہ اپنی سرخیوں کے ساتھ قارئین کے ملاحظہ کے پیش ہے۔

ہم مولانا مودودیؒ کی تحریروں سے لاتعلق ہو سکتے ہیں قاضی حسین احمد

ہمارا آپ کا اتحاد پھر بھی نہیں ہو سکتا: مولانا فضل الرحمٰن

"ملتان ۲۰ فروری (نمائندہ جنگ) کالعدم جمعیت علمائے اسلام کے ناظم اوّل مولانا فضل الرحمان کے قریبی حلقوں کے مطابق جماعت اسلامی نے جمعیت علمائے اسلام اور جماعت پر مشتمل اتحاد قائم کرنے کی تجویز پیش کی ہے تاہم اس سلسلے میں جمعیت علمائے اسلام کی طرف سے سرد مہری کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ ان حلقوں نے بتایا ہے کہ جماعت کے سیکرٹری جنرل قاضی حسین احمد نے مولانا فضل الرحمان سے جو ملاقات کی تھی اس میں انہوں نے کہا تھا کہ جماعت اور جمعیت دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے متنازع ہیں اور ہمارے اکابرین نے ہمیشہ اپنی تحریروں میں ایک دوسری جماعت پر نکتہ چینی کی ہے۔ ان ذرائع نے کہا ہے کہ مولانا فضل الرحمان کے اس جواب پر قاضی حسین احمد نے پیش کش کی کہ دونوں جماعتوں کے اتحاد کی خاطر جماعت مولانا مودودی کی بعض تحریروں سے برأت کا اعلان کرنے کو تیار ہے اور وہ کہہ سکتی ہے کہ جمعیت کے رہنماؤں کے نزدیک جو تحریریں قابلِ اعتراض ہیں وہ مولانا مودودی مرحوم کی ذاتی تحقیق تھیں۔ اس لئے

(بقیہ صفحہ ۲۳ پر)

قرآن حکیم کی سیاسی تعلیمات

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ایک اہم خطاب

مندرجہ بالا موضوع پر ڈاکٹر صاحب نے عیدالاضحیٰ ۱۴۰۱ھ سے قبل چار پانچ اجتماعاتِ جمعہ میں مفصل اظہارِ خیال فرمایا تھا۔ تقریباً ایک ماہ کے انقطاع کے بعد ۱۳ نومبر ۸۱ء کے اجتماع جمعہ میں موصوف نے جو خطاب کیا تھا وہ ٹیپ سے منتقل کر کے معمولی حک و اضافے کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس خطاب میں سابقہ تقاریر کا خلاصہ آ گیا ہے۔ (مرتب)

نَحمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُولِہِ الکَرِیمِ۔ اما بعد
فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ۔ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ۔
قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِی سُورَۃِ یُوسُفَ :-
اِنِ الحُکمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعبُدُوۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ ؕ ذٰلِکَ الدِّینُ القَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکثَرَ النَّاسِ لَا یَعلَمُونَ ﴿۴۰﴾
وَقَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ فِی سُورَۃِ النِّسَآءِ :-
یٰۤاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوۤا اَطِیعُوا اللّٰہَ وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ وَاُولِی الاَمرِ مِنکُم ۚ — فَاِن تَنَازَعتُم فِی شَیءٍ فَرُدُّوہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُولِ اِن کُنتُم تُؤمِنُونَ بِاللّٰہِ وَالیَومِ الاٰخِرِ ؕ ذٰلِکَ خَیرٌ وَّاَحسَنُ تَاوِیلًا ﴿۵۹﴾ وَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِی سُورَۃِ الشُّورٰی :- وَاَمرُھُم شُورٰی بَینَھُم ﴿۳۸﴾
صَدَقَ اللّٰہُ العَظِیمُ۔

ربِّ اشرح لی صدری ویسّر لی امری واحلل عقدۃً من لسانی یفقھوا قولی۔
حضرات! آپ کے علم میں ہے کہ میں نے تقریباً ایک ماہ قبل چار یا پانچ اجتماعاتِ

جمعہ میں "قرآن حکیم کی سیاسی تعلیمات" یا بالفاظِ دیگر "اسلام کے سیاسی نظام" کے بارے میں گفتگو کی تھی - لیکن بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر یہ گفتگو اُس تسلسل سے جاری نہ رہ سکی جس طرح اس سے قبل "قرآن حکیم کی معاشی تعلیمات" یا مروجہ اصطلاح کے مطابق "اسلام کے معاشی نظام" کے موضوع پر ہوئی تھی - یہ تسلسل اس لئے قائم نہ رہ سکا کہ ایک جمعہ کو عیدالاضحیٰ کی مناسبت سے حج اور قربانی کی حکمت کا بیان ہوا - پھر چونکہ ۱۸ ذی الحجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یوم شہادت ہے لہٰذا ایک جمعہ میں اُن کی سیرت اور مظلومانہ شہادت کے بارے میں گفتگو ہوئی - پھر ماہ محرم الحرام شروع ہو گیا - چنانچہ ایک جمعہ میں محرم الحرام کے پہلے عشرے اور یوم عاشورہ کے متعلق جو غلط فہمیاں ہمارے عوام و خواص میں (الا ماشاء اللہ) پھیلی ہوئی ہیں، ان کے ازالے کے ضمن میں اور اس سے اگلے جمعہ کو "سانحہ کربلا" کے موضوع پر گفتگو ہوئی - اس طرح قرآن حکیم کی سیاسی تعلیمات، کے موضوع پر گفتگو میں تسلسل قائم نہ رہ سکا - بہرحال آج میں اس سلسلۂ تقاریر کی آخری کڑی آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں -

اس ضمن میں اصولی گفتگو تو سابقہ تقاریر میں ہو چکی ہے - آج میں اس مسئلے کے کچھ عملی و انطباقی (Applied) پہلو آپ کے سامنے رکھوں گا - یعنی یہ کہ اس وقت جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں اور تاریخ انسانی کے موجودہ دَور کے جو تقاضے ہیں ان دونوں اعتبارات سے ہم قرآن حکیم کی ان سیاسی تعلیمات کو عملاً کس طرح منطبق کر سکتے ہیں - ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت اہم مسئلہ اور عملی سوال ہے - اور اس ضمن میں موجودالوقت سیاسی حالات و مسائل پر گفتگو ناگزیر ہو گی لہٰذا میں اپنے متعلق اس بات کا اعادہ مناسب سمجھتا ہوں جو آپ پہلے ہی سے اچھی طرح جانتے ہیں یعنی یہ کہ میں معروف معنی میں ہرگز "سیاسی" آدمی نہیں ہوں اور عملی سیاست میں حصہ لینے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے بلکہ میں نے "تنظیم اسلامی" کے نام سے جو ہیئتِ اجتماعیہ قائم کی ہے، اس کے بنیادی اصولوں میں یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ تنظیم الیکشن اور الیکشنی سیاست کی طرف کبھی رُخ نہیں کرے گی - لہٰذا کسی صاحب کو یہ غلط فہمی لاحق نہیں ہونی چاہئے کہ میں جو باتیں عرض کرنے

والا ہوں، ان کا مقصد شاید یہ ہے کہ میرے پیش نظر بھی کچھ سیاسی مقاصد ہیں۔ اور میں بھی انتخابی سیاست کے میدان میں کُودنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ بحمداللہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے ۱۹۵۶ء ہی میں شعوری طور پر یہ طے کر لیا تھا کہ میں انتخابی سیاست یا حکومتی سیاست میں ہرگز حصّہ نہیں لوں گا اور اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال رہی اور مجھے کام کرنے کا کبھی موقع بفضلِ باری تعالیٰ ملا تو میری تمام توانائیاں احیائے اسلام اور تجدید دین کے لئے فکری تطہیر اور کردار و اخلاق کی تعمیر کی جدوجہد میں صرف ہوں گی۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ ہم اس ملک کے شہری ہیں۔ اس ملک کے نفع و نقصان اور اس کی اچھائی و برائی میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ہر پاکستانی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خلوص و اخلاص کے ساتھ اپنے ملک کے نفع و نقصان کے متعلق سوچے، غور کرے اور اس مملکتِ خداداد کے استحکام اور مستقبل کے لئے جو دیانت دارانہ رائے وہ قائم کرے اُسے بیان کرے۔ میرے نزدیک یہ ہر پاکستانی کا صرف حق ہی نہیں بلکہ فرض ہے۔ اس وقت اس موضوع پر اظہارِ خیال اس اعتبار سے بھی بہت مناسب ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل اسلام کے سیاسی نظام کے متعلق ایک خاکہ اور ڈھانچہ تجویز کرنے پر غور کر رہی ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ میری یہ رائے بھی (جس کا میں اظہار کرنے والا ہوں) کونسل کے ارکان تک پہنچ جائے۔ الغرض میری گفتگو کا حقیقی مقصد نصح و خیر خواہی کے سوا اور کچھ نہیں۔

گذشتہ تقاریر میں، آپ کو یاد ہوگا کہ 'اسلامی ریاست' کی نوعیت کے بارے میں، میں نے مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی وضع کردہ اصطلاح کے حوالے سے عرض کیا تھا کہ اسلامی مملکت ایک 'Theo-Democracy' ہے گویا اسلامی ریاست اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہ کلیتہً 'جمہوری' ہے۔ اس لئے کہ جمہوریت میں قانون سازی کا آخری، قطعی اور حتمی اختیار عوام کے ہاتھوں میں ہوتا ہے یا یوں کہا جائے گا کہ 'حاکمیت' عوام کی ہوتی ہے۔ وہ اپنے نمائندوں کی اکثریت کی رائے کی بنیاد پر جو قانون چاہیں بنائیں، ان کے اختیار پر کوئی تحدید نہیں ہے۔ جبکہ Theocracy میں ایک مذہبی نظام حکومت ہوتا ہے، جس میں اصل

اختیار کسی مذہبی طبقے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اور اختیار پاپائی (Priest) طبقہ میں مرتکز ہو جاتا ہے۔ اُسے ہم اپنی تفہیم کے لئے کسی مذہبی شخصیت یا مذہبی گروہ علماء کے ہاتھ میں اقتدار و اختیار کا ارتکاز قرار دے سکتے ہیں۔ میں نے اپنی کسی گذشتہ تقریر میں آپ کو بتایا تھا کہ اس وقت ایران کا جو موجودہ دستور ہے وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے 'Theocratic' ہے اس لئے کہ ایک مذہبی شخصیت کے ہاتھ میں آخری اختیار ہے۔ لہٰذا یہ تھیوکریٹک نظام ہے۔ اسلام نہ تھیوکریسی ہے اور نہ ہی وہ ڈیماکریسی ہے۔ البتہ ان دونوں کا ایک ایک جزو اس میں شامل ہے۔ اسی لئے مولانا مودودی مرحوم و مغفور نے بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ اور اسلام کے مزاج اور نوعیت کو واضح کرنے کے لئے (Theo-Democracy) کی اصطلاح وضع کی تھی جس سے مجھے کامل اتفاق ہے۔ مذہب کا عمل دخل اس اعتبار سے کہ قانون سازی کا مطلق اختیار اسلامی ریاست میں کسی کو نہیں ہے۔ حاکمیتِ مطلقہ صرف اللہ کی ہے۔ ڈیماکریسی (جمہوریت) اس اعتبار سے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے قائم کردہ دائرے کے اندر اندر جو کچھ طے کرنا ہوگا اس کا اختیار کسی شخصِ واحد یا مخصوص طبقے کو نہیں ہے بلکہ وہ مسلمانوں کے باہمی مشورے سے طے پائے گا۔ یہ دو اصول ہیں۔ پہلا اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہ۔ حاکمیت صرف اللہ کی ہے۔ ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

اس کی حاکمیت کس طرح نافذ العمل ہوگی! اس میں اضافہ ہو جائے گا اطیعوا اللہ کے ساتھ اطیعوا الرسولؐ کا۔ اس لئے کہ رسولؐ اللہ کے نمائندے بن کر آئے ہیں۔ انہوں نے اللہ کا قانون لوگوں تک پہنچایا اور اس کی اپنے قول اور عمل سے تشریح و تبیین فرمائی۔ لہٰذا اچھی طرح جان لیجئے کہ حاکمیتِ خداوندی کو جب بھی کسی اسلامی معاشرے اور نظامِ مملکت میں عملی تشکیل دی جائے گی تو وہ ہوگی اللہ کی اطاعت اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے حوالے سے۔ اسی بات کو یوں تعبیر کیا جائے گا کہ ایک اسلامی نظامِ مملکت میں کتاب و سُنّت کو بالادستی حاصل

رہے گی - آخری حجت اور اتھارٹی اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہی رہے گی - یہ ایک اسلامی مملکت کے نظام میں THEOCRACY والا جزو ہے - ڈماکریسی (جمہوریت) والا جزو یہ رہے گا کہ اس دائرے کے اندر بھی کسی خاص قبیلے یا خاندان کو مختارِ کل (Authorita-rianism) کا مقام حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہوگی اس کے لئے دوسرا اصول طے شدہ ہے یعنی "اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" - یعنی مملکت کے معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوں گے اور انجام پائیں گے - یہ دو بنیادی (Fundamental) اصول ہیں اسلامی نظام کے - مشاورت (امرھم شوریٰ بینھم) کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس چند عملی روایات قائم فرمائیں - حالانکہ آپؐ اللہ کے رسول تھے اور آپؐ کو کسی مشورے کی ضرورت نہیں تھی - آنحضورؐ کو تو براہ راست اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی خواہ وہ جلی ہو یا خفی رہنمائی مل رہی تھی - لیکن پھر روایات کیسے قائم ہوتیں! اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مثالیں قائم نہ فرمادی ہوتیں پھر خلافتِ راشدہ میں شورائیت کا یہ نظام جس معراج (CLIMAX) کو پہنچا ہے وہ میں آپ کے سامنے گذشتہ تقاریر میں بیان کر چکا ہوں - اگرچہ یہ صورت حال تو نہیں تھی، جس سے ہم واقف ہیں کہ کوئی بیلٹ نہیں تھا - نمائندوں کے چناؤ کے لئے کوئی انتخابی طریقہ رائج نہیں تھا - یہ دَور دَور کی بات ہوتی ہے - کوئی انتخابی ادارہ (INSTITUTION) ابھی کسی معین شکل میں وجود میں نہیں آیا تھا - لیکن جمہوریت کی رُوح اس شکل میں کہ امرھم شوریٰ بینھم پوری طرح جاری و ساری تھی -

اب میں آپ سے عرض کروں گا کہ جب ہم ان دونوں اصولوں (حاکمیت خداوندی اور نظامِ شورائیت) کو لے کر عہد حاضر میں آتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ پوری دُنیا میں نظامِ ریاست و مملکت کے لئے تین ادارے (INSTITUTIONS) بنیادی اور اہم ترین تسلیم کئے گئے ہیں - ایک ہے انتظامیہ (Executive) نظام مملکت کو چلانے کے لئے ایک ادارہ یعنی وہ مشینری جو انتظامی بھی ہوگی اور پورا دفاعی نظام بھی اُس ہی کے اختیار میں ہوگا -

داخلی اور خارجی جملہ امور کا انصرام وانتظام اسی کے ہاتھ میں ہوگا - دوسرا قانون ساز ادارہ (Legislature) - کیا کیا جائے گا اور کیا نہیں کیا جائے گا - معاملات کیسے طے کئے جائیں گے ؟ عدل وانصاف اور امن وامان کے لئے تعزیرات وحدود کے لئے قانون سازی کس بنیاد واصول پر ہوگی - یہ ہے دوسرا اہم ادارہ جسے ہم مقننہ کے نام سے جانتے ہیں اور جو آج کے جدید تصوّر ریاست کا ایک لازمی INSTITUTION ہے اور جس کے بغیر ایک آزاد خود مختار اور جمہوری ریاست کا تصوّر ناقص وتشنہ رہتا ہے —— اور تیسرا اہم ادارہ عدلیہ (JUDICIARY) کا ہے - عدلیہ کا کام صرف یہی نہیں ہوتا کہ کسی نے چوری کی ہے تو اُسے سزا دی جائے کسی نے ڈاکہ ڈالا ہے یا امن وامان میں خلل اندازی کی ہے، حدود کو توڑا ہے تو اُسے اس کی سزا دی جائے اور اگر کسی کی حق تلفی کی ہے تو مظلوم کی دادرسی کی جائے اور اس کا حق اُسے دلوایا جائے یہ بھی عدلیہ کا کام ہے - لیکن یہ اس کی ایک عمومی سطح ہے - اعلیٰ اور ارفع سطح (Highest Level) پر آج کے جدید عہد میں عدلیہ ہی کے پاس یہ ذمہ داری بھی ہوتی ہے اور اس کو اس کا مکمل اختیار بھی دیا جاتا ہے کہ اگر انتظامیہ (Exective) کہیں اپنے حدود سے تجاوز کر رہی ہو تو اس کے خلاف داد فریاد بھی سنے اور حق کے مطابق فیصلہ کرے - یہ بھی عدلیہ ہی کا کام ہے ورنہ آپ خود ہی غور کیجئے کہ عدلیہ کا خوف نہ ہو تو انتظامیہ کو اپنی من مانی کرنے اور اپنے لامحدود اختیارات کو غلط طور طریقے سے استعمال کرنے سے کون روک سکتا ہے ! اسی طرح اگر کوئی قانون ساز ادارہ (LEGISLATURE) آئین ودستور میں طے شدہ اصولوں کے خلاف کوئی قانون سازی کرتا ہے تو اس کے خلاف بھی عدلیہ ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور وہی اس فیصلے کی مجاز ہوتی ہے کہ جو قانون بنایا گیا ہے یا زیرِ غور ہے وہ مملکت وریاست کے بنیادی واساسی (FUNDAMENTAL) دستور وآئین کے اصول سے متصادم ومتخالف تو نہیں ہے ؟ یہ تحفظ نہ ہو تو انتظامیہ کو من مانی کارروائی کرنے اور مجلس لیجسلیچر (اسمبلی) کو دستور وآئین کے خلاف قانون سازی کرنے سے کون روک سکتا ہے ؟ لہٰذا عہد جدید میں عدلیہ

کا دائرہ اختیار صرف امن و امان قائم رکھنے یا جرم کرنے والوں اور دوسرے کی حقوق تلفی کرنے والوں کو سزا دینے تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اعلیٰ سطح پر انتظامیہ اور اسمبلی کی خلافِ قانون اور خلافِ آئین و دستور اقدامات کی روک تھام اور ان کا ازالہ بھی ہے۔

پس دورِ حاضر میں انتظامیہ (Executive) مقننہ (LEGISLATURE) اور عدلیہ (Judiciary) یہ تین ادارے سپریم ادارے ہوتے ہیں۔ اور ان کو ایک احترام کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ یہ وہ ادارے نہیں ہیں کہ جن کو کوئی شخص یا طبقہ اٹھ کر چٹکیوں میں اڑا دے۔ یہ طویل تاریخی عمل اور تجربات کی بنیاد پر دنیا میں وجود میں آتے ہیں اور ان کی روایات قائم ہوئی ہیں ان میں سے ہر ایک کے حدود کار کا تعین ہوا ہے۔ ایک دوسرے کے اختیارات کے مابین کیا توازن (BALANCE) ہوگا! اس کے بارے میں Constitutional Law کا جو دنیا میں رواج ہے اس میں اس اہم ترین پہلو کا سب سے زیادہ لحاظ رکھا جاتا ہے۔ پھر ان آئینی و دستوری اداروں کو وجود میں لانے اور ان کی مستقل بالذات روایات قائم کرنے میں اصل اور حقیقی کام اسلامی تعلیمات نے انجام دیا ہے کہ خلیفہ وقت اور امیرالمومنین تک کو انصاف و عدل کے لئے عدلیہ کے سامنے مدعی یا مدعا علیہ کی حیثیت سے پیش ہونا پڑا ہے جس کی کچھ تفصیل میں آگے بیان کروں گا۔ پس ان تینوں اداروں کے صحیح اور مبنی بر قسط توازن سے آج کے دور میں کسی مملکت و ریاست کا کاروبار چلتا ہے۔

اب میں ایک اہم بات عرض کر دوں گا۔ جس پر خصوصی توجہ دینے کی میں آپ سے درخواست کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ ہمیں خلافتِ راشدہ کے دوران مقننہ (Legislature) کا ادارہ کسی باقاعدہ اور منظم طریقے پر اس نام سے نظر نہیں آتا۔ لیکن وہاں جو مجلسِ شوریٰ تھی وہ درحقیقت یہی عمل (FUNCTION) انجام دے رہی تھی جو آج لیجس لیچر کا ہے۔ اگرچہ وہ قانون ساز ادارہ اسلامی ریاست میں محدود و مقید تھا۔ جہاں اللہ کا کوئی حکم موجود ہے تو اس کے متعلق کوئی غور و فصل کی ضرورت نہیں ہے وہ تو گویا اللہ ہی نے طے فرما دیا۔ جہاں رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی کوئی واضح بات آگئی، آں حضورؐ کی سُنّت آگئی تو وہاں بھی کسی غور و فکر کی قطعاً حاجت نہیں ہے - کتاب و سُنّت میں طے شدہ احکام، حدود، تعزیرات اور اوامر و نواہی مجلسِ شوریٰ کے حیطۂ اختیار سے باہر ہیں، اس میں کوئی بھی عمل دخل کا مجاز نہیں — لیکن جو معاملات نئے پیدا ہو رہے ہوں جو نئی صورتِ حال درپیش ہو تو ان سب کو کون طے کرے! مثلاً جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دور خلافت میں فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہوا اور عراق، ایران اور شام و فلسطین کے بہترین اور زرخیز ترین علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آئے تو ایک مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا کہ یہ زمینیں ان جنگوں میں حصہ لینے والے مجاہدین اور غازیان میں تقسیم ہو جانی چاہئیں یا یہ اسلامی ریاست کی ملکیت قرار دے دی جائیں - اس مسئلہ پر مجلسِ شوریٰ میں ہفتوں گفتگو اور بحث ہوئی ہے - حضرت عمر فاروق رضؓ کا یہ موقف تھا کہ یہ زمینیں ریاست کی ملکیت ہوں - بعض دوسرے صحابہ کا موقف یہ تھا کہ یہ مجاہدین میں تقسیم کر دی جائیں — دونوں طرف سے دلائل دیئے جا رہے ہیں اور معاملے کا صحیح انسب حل تلاش کرنے کی کوشش ہو رہی ہے — ظاہر بات ہے کہ یہی کام لیجس لیچر کا ہوتا ہے - یہ جو نئی صورتِ حال درپیش تھی - اس کے متعلق نہ کوئی واضح نص قرآن مجید میں تھی نہ سُنّتِ رسُول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں - ایک بالکل نئی Situation ہے جس سے ملّت دوچار ہوئی ہے لہٰذا استنباط کرنا پڑیگا - کہ کتاب و سُنّت کا تقاضا کیا ہے! اور یہ مجلسِ شوریٰ میں طے ہو رہا ہے - پس معلوم ہوا کہ لیجسلیچر اصلاً وہاں موجود تھا اگرچہ وہ انتخابی ادارہ ابھی وجود میں نہیں آیا تھا جو طے کرے کہ لیجس لیچر کیسے وجود میں آئے گا - آیا One man One Vote کی بنیاد پر آئے گا، بالغ رائے دھندگی کی بنیاد پر آئے گا یا کسی اور طریقے سے محدود رائے شماری کی بنیاد پر وجود میں آئے گا! بلکہ اس قبائلی نظام میں جو شیوخ قبائل (Elders of the Clans) تھے وہ اس مجلسِ شوریٰ میں شامل تھے اور چونکہ وہ خلافت علیٰ منہاج النبوّت تھی لہٰذا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو قریب ترین صحابہؓ تھے، وہ ہی اس میں شامل تھے - ایسا

نہیں تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جو بات بھی اپنے فہم کے مطابق مناسب سمجھی وہ بغیر کسی مشورے کے از خود نافذ کر دی - ایسا نہیں ہوا تمام مہمات اُمور میں ہمیں حضرت عمرؓ مجلسِ شوریٰ سے مشورہ کرتے نظر آتے ہیں-

البتہ عدلیہ کا ادارہ ہمیں خلافتِ راشدہ میں بہت ہی ترقی یافتہ صورت میں نظر آتا ہے - اگر ہم خلیفہ راشدؓ کو سربراہ انتظامیہ (Exective Head) قرار دیں، ہمارے ہاں اس کے لئے امیر المومنین کی اصطلاح رائج تھی - 'امیر' بھی کہا گیا - صدر یا وزیر اعظم یہ بعد کی اصطلاحات ہیں - پھر صدارتی نظام کا نقشہ کچھ اور ہے اور پارلیمانی نظام کا کچھ اور - لیکن سربراہ مملکت (Exective Head) ایک ہوتا ہے - جس کے ہاتھ میں اختیار ہوتا ہے، تو خلافتِ راشدہ کے دوران ہمیں یہ نقشہ نظر آتا ہے کہ وہ یعنی سربراہ انتظامیہ بھی عدالت میں پیش ہوتے تھے - ان کے خلاف بھی عدالت میں استغاثے دائر ہوتے تھے - اور وہ خود بھی مستغیث ہو کر عدالت میں پیش ہوتے تھے - حضرت عمر فاروقؓ بھی عدالت میں اپنے خلاف دائر ہونے والے مقدمے میں بحیثیت مدعا علیہ پیش ہوئے ہیں اور قاضی عدالت نے اگر ان کا بحیثیت امیر المؤمنین کچھ اعزاز و اکرام کیا ہے تو اس پر آنجنابؓ نے اظہارِ ناراضگی کیا ہے کہ میں اس وقت امیر المومنین کی حیثیت سے تمہارے سامنے پیش نہیں ہوا ہوں بلکہ ایک عام شہری کی حیثیت سے اس وقت جوابدہی کے لئے حاضر ہوا ہوں - میرے اور مدعی کے درمیان کوئی فرق و تفاوق نہیں کیا جا سکتا - حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا واقعہ تو زبان زدِ خلائق ہے کہ ان کے دورِ خلافت میں ان کی ایک زرہ چوری ہو گئی جو ایک یہودی کے قبضے میں پائی گئی - اس کی بازیابی کے لئے امیر المؤمنین کو قاضی شریحؒ کی عدالت میں مرافعہ پیش کرنا پڑا - لیکن وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں صرف اپنے فرزند حضرت حسنؓ اور اپنے ایک غلام قنبر کو پیش فرما سکے - لیکن چونکہ اسلامی قانونِ شہادت مدوّن ہوا تھا اس کی رو سے کسی ملکیت کے ثبوت میں مدعی کے حق میں بیٹے اور غلام کی شہادت قبول نہیں کی جا سکتی تھی لہٰذا قاضی شریحؒ نے دعویٰ

خارج کر دیا۔ اس لئے نہیں کہ قاضی شریحؒ کو یہ گمان تھا کہ دعویٰ جھوٹا ہے یا گواہیاں جھوٹی ہیں ۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ، وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ دعویٰ سچا ہے ۔لیکن قانون قانون ہے ۔دعوے کو قابلِ قبول شہادتوں سے ثابت ہونا چاہیئے ایسا نہیں ہے تو دعویٰ مسترد اور خارج ۔ دیکھئے کہ حضرت علیؓ نے سربراہ مملکت ہونے کے باوجود اپنے اختیار کو استعمال نہیں فرمایا بلکہ عدالت سے رجوع کیا اور عدالت نے ان کے مقام و مرتبے کو اچھی طرح جاننے اور ماننے کے باوجود فیصلہ عین قانون کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر کیا ۔ اور حضرت علیؓ نے اس فیصلے کو خندہ پیشانی سے قبول فرمایا ۔اس اصول پسندی اور احترامِ قانون کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدعا علیہ یہودی دولت ایمان سے شاد کام ہوا ـــ عدلیہ کے بارے میں آں حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک بطورِ اصول فرمادیا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ میری عدالت میں پیش ہونے والے فریقین میں کوئی زیادہ چرب زبان ہو اور وہ میری عدالت سے اپنے دلائل اور شہادتوں کی بدولت اپنے حق میں غلط فیصلہ کرالے اور اگر وہ زمین کا ایک معمولی ٹکڑا بھی مجھ سے ناحق لے گیا ہے تو اگرچہ وہ میرے فیصلے سے لے جا رہا ہے اور میں نے اس کے حق میں ڈگری دی ہے لیکن وہ اس بات کو اچھی طرح جان رکھے کہ وہ جہنم کا ٹکڑا میری عدالت سے لے کر جارہا ہے ۔ ظاہر بات ہے کہ عدالت کو تو جو بھی دعویٰ یا جواب دعویٰ ہے اس کے حق یا خلاف جو دلائل اور شہادتیں اس کے سامنے پیش ہوں گی ان ہی کے مطابق فیصلہ کرنا ہوگا ۔ تو جان رکھیئے کہ ہمارے ہاں خلافت راشدہ میں عدلیہ کا نظام بہت مستحکم تھا ۔

اَب آیئے ان اصولوں کو سامنے رکھیئے اور ان کو اس دَور میں منطبق (Apply) کیجئے :۔ میں یہ بات عرض کرچکا ہوں کہ ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اصول تو الحمد للہ ۔ ثم الحمد للہ بہت پہلے طے ہوگیا تھا ـــ قرار داد مقاصد میں طے ہوگیا تھا جو سن ۱۹۴۹ء میں ہماری دستور ساز اسمبلی نے منظور کی تھی ۔ اس قرار داد میں یہ بات واضح طور پر تسلیم کر لی گئی کہ ہم اس ملک کے رہنے والے اُن عام و معروف معنوں میں خود کو حاکم (Sovereign) نہیں سمجھتے جن معنوں میں دُنیا میں "حاکمیتِ عوام" کا تصور و نظریہ رائج ہے ۔ ہمارے

نزدیک اصل حاکمیت اللہ کی ہے - اصل مقتدرِ اعلیٰ اُسی کی ذات ہے - پھر اللہ
کی حاکمیت اور اس کے مقتدرِ اعلیٰ تسلیم کرنے کا جو آئینی و دستوری اور قانونی
تقاضا ہو سکتا تھا اور اُسے دستور میں جس دفعہ کے تحت لانا چاہیئے تھا وہ بھی
بحمداللہ نہایت صحیح الفاظ میں آچکا ہے کہ: "No Legislation
will be done repugnant to the Quran
and the Sunnah"
یہاں کوئی بھی لیجسلیچر آجائے اس کے لئے ایک حد ہے جس کے اندر اندر وہ
قانون سازی کرنے کی مجاز ہے - اس سے باہر نہیں جا سکتی - وہی بات جو
سورۃ الحجرات میں بایں الفاظ بیان ہوئی کہ:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَ
رَسُولِهِ - "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کے
آگے پیش قدمی نہ کرو -"

یعنی اہلِ ایمان اپنے معاملات میں اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہیں بڑھ
سکتے - اس سے ورے ورے جو بھی انہوں نے تمہیں آزادی دی ہے - اس کے
اندر اندر قانون سازی ہو سکتی ہے - یہ صحیح ہے کہ یہ دفعہ نہایت ہی موزوں
الفاظ میں ہمارے دستور میں شامل ہے لیکن اس معاملے میں ایک کمی ابھی باقی
ہے اور وہ بہت ہی بڑی کمی و تقصیر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ بات ابھی تک
Oprative Clauses (قابلِ عمل دفعات) میں شامل نہیں کی گئی
ہے تاحال یہ بات بطور رہنما اصول (Directive Principle)
ہمارے دستور میں رکھی گئی ہے - اس دور میں چند شریعی عدالتیں بنائی بھی گئی
ہیں لیکن ان کے دائرہ کار میں بہت تحدید (LIMITATION) رکھی گئی ہے -
صورتِ حال یہ ہے کہ اس کے حیطہ اختیار میں بعض مسائل اور قوانین تو زیرِ
بحث لائے جا سکتے ہیں لیکن بعض قوانین و مسائل کو زیرِ بحث نہیں لایا جا سکتا -
اور جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس میں سب سے بڑی ستم ظریفی یہ کی گئی
ہے بلکہ میرا حقیقی تاثر تو یہ ہے کہ یہ اسلام کے ساتھ ایک طرح کے مذاق کا
معاملہ ہے کہ عائلی قوانین بھی ان شریعی عدالتوں کے دائرہ اختیار سے خارج ہیں

انا للہ وانا الیہ راجعون — لہٰذا اس وقت کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ اس دفعہ کو Directive Principle سے اٹھا کر Oprative clause میں شامل کیجئے کہ "قرآن اور سنّت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں کی جا سکتی"۔

اس کو Enforce کیجئے - بہت سے مسائل عدالتوں کے ذریعے حل ہو جائیں گے کوئی خاص کھکھیڑ مول لینے کی نوبت نہیں آئے گی - ماحول سے مرعوبیت کے بجائے اللہ پر اعتماد اور توکل چاہیئے - اور اس کے لئے ایک ہمتِ مومنانہ اور جرأتِ مجاہدانہ درکار ہے — دُنیا اپنی مصلحتوں کے پیشِ نظر ہمارے ساتھ معاملہ کرتی ہے - امریکہ کے رویّے میں جو تھوڑی بہت تبدیلی نظر آرہی ہے اس سے یہ دھوکہ نہ کھایئے کہ اس کے دل میں ہمارے لئے بڑے جذباتِ محبت موجزن ہیں - یہ اس کی اپنی مصلحتیں ہیں - ہمیں بہرحال دنیا سے روابط رکھنے ہیں لہٰذا اگر ایک اضطراری کیفیت کے تحت آپ دنیا سے قرضے لینے پر مجبور ہیں اور ان پر سود دینا پڑتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ یہ واقعی اضطرار ہی قرار پائے اور ہم فی الحال ان کو موخر کر سکتے ہوں لیکن خدارا سوچئے کہ اندرونی معاملات میں کونسا اضطرار موجود ہے - کمی ہے تو جرأت مومنانہ اور ہمت مردانہ کی کمی ہے - میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ بیرونی مالی معاملات میں بھی اگر ہم اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل رکھتے ہوئے کوئی مومنانہ اقدام کریں گے اور اس پر استقامت کا مظاہرہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری نصرت فرمائے گا اور بیرونی ممالک ہم سے ہمارے اصولوں کے مطابق معاملہ کرنے پر مجبور ہوں گے - یہ نہیں ہو کہ ہمیں دنیا کے چلن کو دیکھ کر اس کے مطابق خود کو ڈھالنا اور Adjust کرنا پڑے - اس اہم اقدام کے لئے اللہ پر اعتماد و توکل اور جرأت ایمانی کی ضرورت ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ کی حاکمیت کا مسئلہ ہمارے دستور میں طے ہو چکا ہے اور یہ بات بھی تسلیم کی جا چکی ہے جیسے وہ اب تک رہنماء اصول

کے طور پر دستور میں شامل رہی ہے کہ مملکت خداداد پاکستان میں کوئی قانون سازی نہیں کی جائے گی جو قرآن و سُنّت سے متصادم و متخالف ہو۔ اس پہلو سے تو معاملہ صحیح رُخ پر طے شدہ ہے اب تو ضرورت ہمت وجرأت کی ہے کہ اس کو بالفعل نافذ کیا جائے اس کے سوا کوئی دوسری رکاوٹ موجود نہیں ہے۔ لے دے کر ایک الجھن پیش کی جاتی ہے کہ وہ کونسی آخری اتھارٹی ہوگی جو یہ فیصلہ کرے گی کہ کون سا قانون کتاب و سُنّت کے خلاف ہے تو اس کا بہت آسان حل موجود ہے۔ وہ یہ کہ اس کا اختیار ہماری عدالت عالیہ (سپریم کورٹ) ہی کو حاصل ہونا چاہئیے۔ میں نے آغاز میں سُورہ النساء کی آیت ۵۹ کی تلاوت کی تھی۔ اس میں ایسی تمام الجھنوں کا عملی حل موجود ہے۔ اطیعوا اللّٰہ اور اطیعوا الرسول وَاُولی الامر منکم۔ اس میں اللہ اور رسول کے ساتھ اطیعوا کا لفظ لاکر اس معاملہ کو واضح کر دیا گیا کہ ان دونوں کی اطاعت تو علی الاطلاق ہے۔ تیسری اطاعت ان دونوں اطاعتوں کے تابع اولی الامر کی کرنی ہے۔ اولی الامر کے بھی دو حصے ہیں ایک انتظامیہ دوسرے لیجس لیچر۔ یہ دونوں اولوا الامر کے حصے ہیں۔ قانون بناتا ہے لیجس لیچر اور اس کی تنفیذ کرتی ہے انتظامیہ ان دونوں کا اجتماع اولوا الامر ہیں۔ تو ہمارے لئے حکم اور رہنمائی یہ ہے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ یہ اطاعتیں تو جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا مطلق ہیں۔ یہ مشروط نہیں ہیں۔ تیسری اطاعت اولوا الامر کی ہے لیکن وہ مطلق نہیں ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے تابع ہے۔ اسی لئے تیسری مرتبہ اطیعوا کا حکم نہیں آیا۔ پھر راستہ دکھا دیا کہ کسی معاملے میں تنازعہ ہو جائے۔ مثلاً: کوئی شخص یہ رائے رکھتا ہو کہ انتظامیہ کا فلاں حکم یا فلاں اقدام کتاب وسنت کے خلاف ہے یا فلاں قانون جو ہماری مقنّنہ (لیجس لیچر) بنا رہی ہے یا بنا چکی ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کے منشا اور قرآن وسنت کے خلاف ہے تو وہ شخص کہاں جاکر فریاد کرے۔ کس سے دادرسی چاہے۔ انتظامیہ یا مقنّنہ تو اپنے حدود سے تجاوز کر رہی ہے یا کر چکی ہے تو اس سے عدل وقسط اور انصاف کی توقع عبث ہوگی۔ اسی کے لئے اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالےٰ نے حکم دیا کہ:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ - اس تنازعہ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ - یعنی اگر کسی شخص کی رائے میں اللہ اور اس کے رسول کا منشا کچھ اور ہے اور ہمارے قانون اس کے خلاف بن رہا ہے - اس شخص کی رائے میں کتاب وسُنّت نے کچھ اور حدود متعین کی ہیں، انتظامیہ ان حدود سے تجاوز کر رہی ہے - تو اس شخص اور اولوالامر کے مابین ایک نزاع ہوگیا - اب اس کو طے کیوں کر کیا جائے فرمایا: - فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ "لوٹاؤ اس کو اللہ اور رسُول کی طرف" اس تنازع میں اولوالامر کی حیثیت تو ایک فریق کی ہوگئی - لہٰذا وہ خود تو فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں رہا - چاہے وہ نزاع انتظامیہ سے متعلق ہو چاہے مقننہ سے - لہٰذا اُس تنازعہ کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹایا جائے گا - اس کا فیصلہ کرنے والی عدالت عالیہ (Supreme Court) ہوگی - اس عدالت میں جاکر بحث ومباحثہ (Argue) کیا جائے کہ اس ملک کے دستور میں یہ طے ہے کہ کوئی قانون سازی قرآن وسنت کے خلاف نہیں کی جائے گی اور جو قانون سازی ہو رہی ہے یا ہو چکی ہے وہ کتاب وسُنّت کے خلاف ہے یا انتظامیہ کا فلاں حکم واقدام شریعت سے متصادم ہے - پس ایسے تمام معاملات عدلیہ میں جاکر طے ہوں گے - البتہ اس میں ایک تبدیلی لانے پر غور کرنا ہوگا وہ یہ کہ ہمارے ہاں مختلف بینچ (Banches) بنائے جاتے ہیں - ایسے معاملات مکمل عدالت عالیہ میں پیش ہو کر فیصل ہونے چاہیں - ہماری آخری عدالتِ عالیہ ہی کو یہ آخری اختیار ہونا چاہیئے کہ وہ یہ طے کرے کہ فلاں قانون یا اقدام کتاب وسنت کے مطابق ہے یا نہیں -

اس طریق کار میں علماء کرام کا کردار یہ ہونا چاہیئے کہ وہ عدالتِ عالیہ میں پیش ہو کر بحث ومباحثہ (Argue) کریں - دلائل وبراہین دیں - ان کے پاس علم ہے وہ کتاب وسُنّت کو جانتے ہیں لہٰذا ایسے تمام علماء کو قانوناً یہ حق ہونا چاہیئے کہ وہ عدالت عالیہ میں ایسے تمام امور میں جو قانون سازی سے متعلق ہوں پیش ہو سکیں اللہ کرے کہ نامور اور مستند علماء خود جسٹس کے عہدے پر فائز ہوں اور کتاب وسنت کی روشنی میں ایسے تنازعات کو خود فیصل

کرنے کے مجاز ہوں - یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے - حالات کا ایک رُخ ہوتا ہے - معاشرے کی ایک طلب ہوتی ہے - اگر انگریز نے سرکاری مناصب کے لئے انگریزی کے مخصن کی ٹکیہ لٹکا دی تھی تو ہم نے انگریزی پڑھی اس لئے کہ معاش اس سے وابستہ ہوگئی تھی - اب اگر کتاب وسنت کو کسی معاشرے میں فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوگی تو ذہین وفطین لوگ اس کا علم حاصل کریں گے۔ اس وقت یہ طبقہ اس طرف اس لئے التفات نہیں کرتا کہ ان کا دنیوی کیریئر اس لائن سے وابستہ نہیں - کوئی معاشی منفعت منسلک نہیں - اسی برصغیر میں انگریزوں کے تسلط سے قبل ہندوؤں نے اتنی فارسی پڑھی کہ مسلمانوں نے نہیں پڑھی - ہم نے انگریزی پڑھی اور اس معیار کی پڑھی کہ خود انگریزوں کو پڑھا دیں تو اس دور میں اگر امورِ سلطنت کا رُخ کتاب وسنّت کے معیارِ حق ہونے کی طرف ہو جائے تو ہماری عدلیہ میں بڑے بڑے ذہین وباصلاحیت لوگ موجود ہیں ان کو کتاب وسنت کو سمجھنے میں کوئی دیر نہیں لگے گی - پھر ملک میں بفضلہٖ تعالیٰ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس کام میں ممد ومعاون ہو سکتے ہیں - مزید یہ کہ ہمارے ہاں زیرِ تعلیم لوگ جو قانونی میدان میں اپنی جولانی طبع دکھانے کا جذبہ رکھتے ہیں وہ کتاب وسنت کے علم کے بحرِ زخار میں غوطہ زنی کریں گے اور چند ہی سالوں میں بے شمار لوگ ایسے موجود ہوں گے جو اس میدان میں ماہرین کا مقام رکھتے ہوں گے - یہ کوئی سینہ بسینہ والا علم نہیں ہے - یہ بالکل واضح اور کھلا (OPEN) علم ہے - قرآن مجید کتابِ مبین ہے - روشن وبیّن کتاب - اسی طرح سنّت کا علم ہے - طلب صادق ہو تو ان دونوں علوم کا سیکھنا مشکل نہیں ہے - ہمارا بڑا دینی علوم کا ورثہ موجود ہے - ائمہ وفقہاء عظام نے کیا کیا عرق ریزیاں کی ہیں اور مسائل کے حل کے لئے کیا کیا محنتیں کی ہیں - کون کون سے دلائل دیئے ہیں - استنباط واستشہاد واستخراج کے کیا کیا اصول مدوّن کئے ہیں، ان سب کا ریکارڈ موجود ہے - لہٰذا اس میں کوئی مشکل نہیں ہے - البتہ ضروری ہے کہ ادلّہ اس میں Dichotomy (دوئی) ختم ہونی چاہیئے - اور جو اصل عدلیہ ہے اسی کے پاس یہ اختیار ہو

——— اور ثانیاً یہ جو کم ہمتی ہے اور اندیشہ فردا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے یا یہ کہ ماحول کے ردّعمل کا ضرورت سے زیادہ خوف طاری ہے تو اس کا تعلق صرف اور صرف جرأت ایمانی سے ہے۔ اس عزمِ مصمم کی ضرورت ہے کہ جو بات حق ہے اور جو ہمارے ایمان و یقین کا لازمی تقاضا ہے اسے طے کرنا اور نافذ کرنا ہے۔ لہٰذا ہرچہ بادا باد کے جذبے اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل کے ساتھ اس اقدام کو کرنا ہوگا۔ میرے نزدیک یہ معاملہ آسان ہے۔ اس میں صرف ہمّت وجرأت کی ضرورت ہے۔

اب آئیے انتظامیہ (Executive) کے معاملات کی طرف جیسے وجود میں آئے! اس وقت تو مارشل لا نافذ ہے۔ جو حضرات اس کو چلا رہے ہیں وہ خود کہتے ہیں کہ یہ عارضی ہے، مستقل نہیں۔ لہٰذا اس وقت ایک اہم ترین سوال یہ بھی ہے کہ انتظامیہ کے وجود کے لئے کیا اقدامات کئے جانے چاہئیں۔! میں نے عرض کیا تھا کہ اولوا الامر کے دو حصے ہیں۔ انتظامیہ (Executive) بھی اور مقننہ (Legislature) بھی۔ اس ضمن میں، میں پورے اعتماد و وثوق اور اخلاص کے ساتھ عرض کروں گا کہ اس کے لئے انتخابات کے سوا کوئی دوسرا راستہ موجود نہیں ہے۔ اس میں جو بھی تاخیر و تعویق ہو رہی ہے چاہے ——— اس کے کچھ بھی اسباب ہوں۔ اس کے متعلق میں پوری دیانت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ وہ نہایت مہلک ہے نہایت خطرناک ہے اور اس کے نتائج بہت مضر برآمد ہوں گے۔ حالانکہ میں وہ شخص ہوں جو طے کر چکا ہے کہ الیکشن کی طرف کبھی رُخ نہیں کروں گا۔ لیکن حالات کا تقاضا ہے کہ اس ملک میں عام انتخابات کا عمل جاری ہو۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ووٹر کی عمر کی حد بڑھا دی جائے۔ زیادہ MATURE پاکستانی کو ووٹ کا حق ہو — یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ووٹ کے لئے کسی تعلیمی معیار کی شرط عائد کر دی جائے۔ پرائمری تعلیم کی حد مقرر کی جا سکتی ہے۔ یا یہ شرط لگائی جا سکتی ہے کہ ووٹر وہی ہو سکے گا جو کم از کم قرآن مجید ناظرہ پڑھ سکتا ہو۔ ایسے تمام امور ملک کے سیاسی رہنماؤں

کے مشورہ سے طے کئے جاسکتے ہیں اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ موجودہ مارشل لاء اتھارٹی کی طرف سے ان میں سے کوئی ایک یا زائد شرائط دوٹر کے لئے عائد کی جاسکتی ہیں - جو صورت بھی ممکن ہو اختیار کی جائے لیکن اصل بات یہ ہے کہ الیکشن سے کوئی مفر نہیں - اور اس میں جتنی تاخیر و تعویق ہوگی وہ مضر ہوگی۔ الیکشن کے سوا کوئی دوسرا متبادل راستہ موجود نہیں ہے - انتظامیہ آسمان سے نہیں ٹپکے گی - نہ ہی لیجس لیچر خود بخود وجود میں آئے گی ہمارے ملک میں جو مخلصین ہیں - میں نے گذشتہ کسی تقریر میں جناب جسٹس کیکاؤس صاحب کا ذکر بھی کیا تھا - وہ عدالت میں بھی گئے ان کا مقدمہ کافی عرصے تک چلتا رہا اور اس میں بڑے بڑے قانون دان آئے اور انہوں نے اپنے اپنے دلائل پیش کئے - لیکن جب بھی یہ سوال آیا کہ متبادل راستہ (ALTERNATIVE) کیا ہے! تو اس کا تسلی بخش جواب کوئی نہیں دے سکا - چونکہ کوئی متبادل راہ ہے ہی نہیں — یہ بھی ہماری خوش قسمتی ہے کہ جس وقت حالات کے تقاضے کے پیش نظر مارشل لاء ناگزیر ہوگیا تو ہماری فوج کا سربراہ وہ شخصیت تھی جو ایک شریف النفس انسان ہے جو بہر حال دینی مزاج رکھنے والا اور ایک محب وطن انسان ہے - یہ تو ایک اتفاقی خوش نصیبی ہے - اس کو کوئی قاعدہ و ضابطہ (RULE) تو تسلیم نہیں کیا جاسکتا - اس سے پہلے یحییٰ خان تھا وہ جس کردار کا انسان تھا یہ سب ہی جانتے ہیں - اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ کوئی اور اسی جیسا شخص برسر اقتدار نہیں آجاتا - کسی کے پاس کوئی ضمانت نہیں ہے۔

ان تمام خدشات کے سدباب کے لئے واحد راستہ صرف انتخاب کا عمل ہے۔ میں اس موقع پر آپ کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے یہ بات جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب سے بالمشافہ ایک نجی ملاقات میں عرض کی تھی - میری ان سے علیحدگی میں یہ واحد ملاقات ہے - اب تک پہلی بھی اور آخری بھی — اس ملاقات میں میں نے نہایت زوردار الفاظ میں ان سے کہا تھا کہ جو سیاسی خلا (Political Vacuum) ملک میں پیدا ہوگیا ہے وہ انتہائی خطرناک بلکہ خودکشی (Suicidal) کے مترادف ہے -

ہمارے ہاں بدقسمتی سے کسی ناخوشگوار واقعہ کے ظہور پذیر ہونے کے بعد بڑے بڑے پنڈت اور لال بجھکڑ پیدا ہوجاتے ہیں کہ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا۔ یہ کام ہوتا تو یہ واقعہ ظہور پذیر نہ ہوتا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد یہاں ہر دانشور اور سیاست دان نے یہ کہا کہ اصل میں ایوب خاں مرحوم کا مارشل لاء مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے کاٹنے کا سبب تھا۔ اس لئے کہ وہاں Proposition اور منطق یہ بن گئی کہ فوج میں غالب ترین حصہ ہے مغربی پاکستان کا تو فوج کی حکومت ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ مغربی پاکستان حکومت کر رہا ہے مشرقی پاکستان پر۔ لہٰذا مشرقی پاکستان محکوم ہے۔ صدر ایوب مرحوم اللہ کے پاس جا چکے۔ میں انہیں بڑا مخلص پاکستانی سمجھتا ہوں انہوں نے ۱۹۶۸ء میں گول میز کانفرنس کے موقع پر جو جملے کہے تھے وہ میرے دل پر لکھے ہوئے ہیں۔ مجیب الرحمن نے جب اپنا چھ نکاتی فارمولا پیش کیا تھا۔ تو اس کے متعلق صدر ایوب نے کہا تھا کہ "Then I am not going to preside over disintegration of this country someone else will do it." پھر انہوں نے مشرقی پاکستان کی ترقی کیلئے جو کچھ کیا۔ وہاں کی معاشی ترقی کے لئے جو کچھ کیا۔ وہاں بھاری صنعتوں کو فروغ دیا۔ اس کے اعداد و شمار تو بعد میں ملک کے سامنے آئے ہیں، جس سے لوگوں کی آنکھیں کھلی ہیں کہ مجیب الرحمن اور ان کی پارٹی کا پروپیگنڈہ کتنا غلط تھا۔ لیکن صدر ایوب مرحوم نے مشرقی پاکستان کی ترقی کے لئے جو کچھ کیا اس سارے کام کی نفی ایک منطق (Proposition) سے ہو جاتی ہے جو کہ سب پر حاوی (Over-riding Proposition) ہے۔ اس کا کوئی جواب دیا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ ملٹری جو ہے وہ مغربی پاکستان سے تعلق رکھتی ہے۔ اور بنیادی طور پہ ملٹری کی حکومت ہے تو گویا مغربی پاکستان کی حکومت ہے اور مشرقی پاکستان محروم (Deprived) ہے۔ مظلوم ہے۔ یہ وہ بات تھی جس پر وہاں جو علیحدگی پسند تھے انہوں نے عوام میں محرومی کا احساس پیدا کر کے مغربی پاکستان کے خلاف نفرت کے جذبات ابھارے

یہ آنگن مارشل لا نے فراہم کیا اور اس پر علیحدگی پسندوں نے ناچ ناچا۔ بہرحال پلیٹ فارم ہم نے بنایا۔ اس پر انہوں نے جو بھیانک کھیل کھیلنا تھا وہ انہوں نے کھیلا۔ بالکل یہی صورت حال اور مسئلہ اس وقت سندھ میں درپیش ہے۔ یہاں پنجاب کے رہنے والوں کو شاید اس کا اندازہ نہیں ہے۔ بالکل وہی Proposition آج سندھ میں بالفعل موجود ہے۔ بلوچستان جانے کا مجھے زیادہ اتفاق نہیں ہوا لیکن سندھ میں میرا آنا جانا ہے۔ اب سندھیوں کے لئے PROPOSITION یہ بن گئی ہے کہ ملٹری اکثر و بیشتر پنجابیوں پر مشتمل ہے لہٰذا ملٹری کی حکومت کے معنی ہیں پنجاب کی حکومت ـــــ وہاں شدّت کے ساتھ یہ تاثر اور احساس پایا جاتا ہے کہ پنجاب حکومت کر رہا ہے اور سندھ محکوم ہے۔ اس محرومی کا احساس وہاں روز افزوں ہے۔ اب آپ چاہے سندھ کی کتنی ہی حمایت کر لیں۔ چاہے دریائے سندھ کا سارا پانی اس کو دیدیں۔ وہاں نئی نئی انڈسٹریاں لگائیں۔ وہاں بہت سے ترقیاتی منصوبے روبعمل لائیں اور پنجاب کی کتنی ہی حق تلفی کریں اور اپنے خیال کے مطابق ان کی دلجوئی کے لئے اس سے بھی زیادہ کریں۔ پھر بھی سندھی راضی نہیں ہوں گے۔ ان کا احساس محرومی ان چیزوں سے ختم نہیں ہوگا۔ جیسے بنگالیوں میں ختم نہیں ہوا تھا۔ یہ Proposition اور یہ پلیٹ فارم موجود ہے کہ ملٹری پنجاب کی ہے، ملٹری کی حکومت ہے لہٰذا پنجاب حکمران ہے اور سندھ محکوم ہے۔ اس پلیٹ فارم اور اس آنگن پر ناچنے والے ناچیں گے۔ لہٰذا جس کسی کو بھی اپنے اس ملک سے محبّت ہے۔ جس کسی کے دل میں اپنے ملک سے متعلق خیر خواہی کے جذبات موجود ہیں ان سب کو اس مسئلہ پر اس پہلو سے سوچنا چاہیئے۔ موجودہ صورتِ حال ملک کے اتحاد اور سالمیت (INTEGRITY) کے لئے نہایت تشویشناک ہے ـــ اس کے سدّباب کے لئے انتخابی عمل کو جاری ہونا چاہیئے۔ یحییٰ خاں نے انتخاب کے لئے ایک L.F.O بنایا تھا۔ موجودہ اربابِ اقتدار بھی کچھ ایسے اصول معیّن کر سکتے ہیں۔ میں نے ۱۸ اگست ۷۰ء میں پانچ سات منٹ کی علیحدہ اور نجی گفتگو میں جنرل صاحب

کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ نان پارٹی (Non-Party) کی بنیاد پر اور انتہائی کم وقت کے نوٹس پر ملک میں الیکشن کرا دیا جائے - ایک LEGAL FRAME ORDINANCE بھی بنایا جا سکتا ہے - اس میں یہ طے کر دیا جائے کہ جو کوئی بھی ملک کی سالمیت اور اسلام کے خلاف کوئی نعرہ لے کر اٹھے گا اس کو انتخاب میں حصہ لینے کا حق نہیں ہوگا - کوئی بھی کسی نوع کا کوئی علاقائی (Regional) نعرہ لے کر نہیں اٹھ سکے گا - یہ اور اس قسم کی تمام پابندیاں جس سے ملک کی سالمیت اور نظریہ پاکستان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، چاہے وہ بظاہر معمولی سا نظر آئے، عاید کرنے کا موجودہ حکومت کو حق ہے - اسی ایل ایف او، میں یہ بھی طے کیا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی مؤثر گروپ اسمبلی میں وجود میں نہیں آتا ہے اور ملک کی INTEGRITY کی ضمانت نہیں ملتی ہے تو یہ اسمبلی توڑ دی جائے گی اور دوبارہ الیکشن ہوگا - فوج صرف اسمبلی کے وجود میں آتے ہی فوراً اختیارات منتقل نہیں کرے گی - یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک الیکشن میں کوئی فیصلہ کن اور قابل قبول نتیجہ سامنے نہیں آتا - چھوٹے چھوٹے گروپ آ گئے ہیں اور کسی مستحکم (STABLE) حکومت بننے کا امکان نہیں ہے تو طے کیا جا سکتا ہے کہ فوج اپنا تسلط جاری رکھے گی - تین مہینے کے بعد ایک اور الیکشن ہوگا - میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ ایک محب وطن اور مخلص لیڈر کو وجود میں لانے کے لئے سال میں تین چار مرتبہ الیکشن کرانے پڑیں تو کرائے جائیں - اس سے ہماری پبلک کو سیاسی تربیت ہی ملے گی - لیکن میری خلوص کے ساتھ یہ رائے ہے کہ انتخابی عمل (Election Process) کو روکے رکھنا نہایت سی بدگمانیوں کو جنم دینے کا سبب بن رہا ہے -

اس عمل کا جلد از جلد جاری ہونا ہر پہلو اور ہر لحاظ سے ملک کی سالمیت اور استحکام کے لئے انتہائی ضروری ہے یہ Hand Picked قسم کی مجلس شوریٰ انتخابات کا بدل نہیں ہے اگر کسی شخص کی یاد بھوت کی طرح سامنے کھڑی ہے اور اس سے خوف آ رہا ہے اور اس کی وجہ سے انتخابات منعقد کرانے میں پس و پیش ہے تو میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ

یہ بھوت مستقل طور پر ہمارے سروں پر منڈلاتا اور ہمیں تنگ (Haunt) کرتا رہے گا اس بھوت کا اگر خاتمہ ہو سکتا ہے تو وہ اسی انتخابی عمل (Process) اور مشینری سے ہو سکتا ہے۔ ورنہ اس بھوت کا تصور HAUNT کرتا رہے گا۔ اس مسئلہ میں میری پختہ اور دیانت دارانہ رائے یہی ہے کہ اس ملک میں انتخابی عمل کو جلد سے جلد جاری ہونا چاہیے۔ اب دیکھنا ہے کہ ہمارے علماء اور ہمارے دانشور جو اسلامی نظریاتی کونسل کے ارکان ہیں۔ وہ کیا سوچتے ہیں اور کیا تجویز کرتے ہیں! واقعہ یہ ہے کہ ان پر بہت بڑی ذمہ داری آ گئی ہے یہ اللہ کا شکر ہے کہ ان میں سے اکثر علماء اس علماء کنونشن میں شریک تھے جو گذشتہ سال اگست میں منعقد ہوئی تھی اور جس میں بہت زور دے کر میں نے یہ تجویز منوائی تھی کہ جو بھی اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات ہوں ان کو راز (Confidential Secret) نہ رکھا جائے بلکہ عوام کے سامنے آنی چاہئیں۔ بینکاری کے سلسلہ میں کونسل کی سفارشات اسی فیصلے کے تحت شائع ہوئی تھیں ورنہ وہ ایک انتہائی خفیہ دستاویز (Top-Confidential Document) کے طور پر رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے وہاں عرض کیا تھا کہ لوگوں میں بدنام اسلامی نظریاتی کونسل ہوتی ہے اور اس میں شامل علماء ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے ہمارے کچھ علماء مستعفی ہو گئے ہیں چونکہ انہوں نے تجربہ کیا کہ لوگوں میں عام تاثر یہ ہے کہ یہ لوگ کچھ نہیں کرتے یا یہی حضرات صدر صاحب کو الٹی پٹی پڑھاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسلام کی طرف پیش رفت نہیں ہو پاتی۔ یہ حضرات اس طرح چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آ جاتے ہیں کہ جو ان کی سفارشات ہیں وہ پبلک کے سامنے بھی نہیں آتیں اور نہ ان پر عمل درآمد کہیں نظر آتا ہے۔ وہ فائلیں وزارت قانون میں گئیں اور دفن ہو گئیں یا اس وزارت نے کوئی مسخ شدہ قانون نافذ کرا دیا۔ لوگ اسے اسلامی نظریاتی کونسل سے منسوب کرتے ہیں بہرحال اب یہ طے ہے کہ کونسل کی سفارشات منظر عام پر آیا کریں گی لہٰذا کونسل اب "اسلام کے سیاسی نظام" کے متعلق جو سفارشات مرتب کر رہی ہے وہ عوام کے سامنے آئیں گی میں بھی ان کا منتظر ہوں۔

اصولی اعتبار سے اور اس ملک کی مصلحت کے اعتبار سے میری جو دیانت دارانہ رائے اس مسئلہ میں ہے وہ میں نے بغیر کسی لاگ لپٹ کے بیان کر دی ہے۔ چند دنوں بعد ہی ہمارے ایک بڑے باعزت اور قابلِ احترام مہمان ترکی کے صدر پاکستان تشریف لانے والے ہیں۔ میں یہاں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ کوئی صاحب پاکستان کو ترکی پر قیاس کرنے کی حماقت نہ کریں۔ کوئی صاحب بھی یہ خیال نہ کریں کہ جس طرح انہوں نے اپنے ملک میں

مسئلہ حل کر لیا ہے اسی طرح یہاں بھی ہو جائے گا ترکی اور پاکستان کے حالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے ترکی کی عظیم اکثریت ایک نسل پر مشتمل ہے وہاں ایک زبان ہے اس کو تو اس طرح سمجھئے کہ ہمارے ہاں جیسے صوبہ پنجاب ہے تقریباً اتنا ہی یا اس سے بھی چھوٹا ترکی ہے۔ اگر یہاں بھی یہ صورتِ حال ہوتی تو مسائل پیدا ہی نہیں ہوتے۔ لیکن حالات بہت مختلف ہیں۔ زبان کا مسئلہ ترکی میں موجود نہیں پھر ایک قومی اور نسلی جذبہ بھی وہاں موجود ہے۔ لہٰذا جو چیز وہاں کامیابی سے چل جائے لازم نہیں ہے کہ وہ یہاں بھی چل جائے۔ حالات کے فرق و تفاوت کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ہم وہاں کے اندرونی حالات کا کوئی براہ راست علم نہیں رکھتے۔ بظاہر احوال جو کچھ معلوم ہے اس کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں اور ترکی سمیت تمام مسلم ممالک کے لئے دعائے خیر ہی کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ نہ ہماری ذمہ داری ہے اور نہ ہی ہمارے ہاتھ میں اختیار ہے۔ لیکن یہ کہ ہمارے ملک کے حالات سے صرفِ نظر کر کے اور باہر کے کسی ملک کے حالات پر قیاس کر کے ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ ہمیں تو اپنے ملک کی بہتری کے لئے مناسب حال اقدام کرنا چاہیے اور اس ضمن میں میری مخلصانہ رائے یہ ہے کہ ہمارے ملک میں انتخابی عمل جلد از جلد جاری ہونا چاہیے۔

میں سوچ رہا ہوں کہ میری اس رائے پر لوگوں کے اپنے اپنے فہم و فکر کے مطابق ردِ عمل تو ہو گا۔ میں نے یہ احتیاط کی ہے کہ اپنی اس رائے کے ساتھ ہی میں نے اپنے متعلق صفائی سے اس بات کا اعلان بھی کر دیا ہے کہ میں یہ بات اس میدان کی کر رہا ہوں جس میدان کا مجھے کبھی رخ کرنا ہی نہیں ہے۔ میرا کوئی ذاتی مفاد یا مصلحت اس رائے میں نہیں ہے نہ کوئی گروہی یا جماعتی مفاد کا پہلو ہے جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں میری جماعت نے تو اپنے اساسی اصولوں میں یہ بات شامل کر رکھی ہے کہ تنظیم اسلامی الیکشن کے میدان کا رخ نہیں کرے گی میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ خالصتاً ملک کے مفاد اور مصلحت کے پیش نظر عرض کر رہا ہوں۔ اس ضمن میں ایک تشبیہ میرے ذہن میں آئی ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک نوجوان ہے اور اس کے والدین کو ابھی اس کے چال چلن پر پورا اعتماد نہیں ہے اب اگر وہ اس عدم اعتماد کی وجہ سے اس کی شادی ملتوی کرتے رہیں گے تو میرے خیال میں اس نوجوان کے چال چلن کی درستگی کا جو صحیح راستہ ہے وہ طویل ہوتا چلا جائے گا۔ وہ

جوان ہوگیا ہے اس کے جذبات جاگ چکے ہیں۔ نفس کا بھرپور داعیہ ابھر چکا ہے۔ لہٰذا دوراندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے والدین اس کے لئے وہ جائز راستہ خود فراہم کریں جو اس کی فطرت و جبلت کا تقاضا ہے۔ تاکہ اس کے اس داعیہ اور جذبہ کی صحیح راہ سے تسکین حاصل ہو سکے اس تدبیر سے اس کے غلط راستے سے روکنے کا غالب امکان پیدا ہو سکے گا۔ لیکن اگر اس میں تاخیر و تعویق ہی ہوتی رہی تو گویا اس کے والدین خود ہی اس کو بے راہ روی پر چلنے کا موقع فراہم کر رہے ہیں۔ اب اس دور میں جس سے ہم گذر رہے ہیں انسان بہت حد تک بالغ ہوگیا ہے۔ میں نے اپنی سابقہ ایک تقریر میں آپ کو علامہ اقبال مرحوم کا ایک شعر سنایا تھا جو میرے نزدیک ایک لاکھ روپے کا شعر ہے۔ اگرچہ اس میں یہ بات بھی واضح کی گئی ہے کہ بے لگام جمہوریت بھی اسی طرح شرک ہے جس طرح غیر محدود ملوکیت۔ شعر پھر سنیئے اور اس سے وہ پیغام اخذ کیجئے جو علامہ مرحوم نے ملت کو دیا ہے۔ یہ شعر انہوں نے ابلیس کی مجلس شوریٰ میں ابلیس سے کہلوایا ہے ؎

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

شیطانِ اعظم ابلیس یہ کہہ رہا ہے۔ بادشاہت اور جمہوریت میں اپنی روح کے اعتبار سے فرق کچھ نہیں ہے وہی انسانی حاکمیت مطلقہ وہاں تھی وہی یہاں ہے۔ بادشاہی میں ایک فرد کے ہاتھ میں تھی، جمہوریت میں وہ لوگوں میں تقسیم کر دی گئی ہے۔ لیکن اصول وہی انسانی حاکمیت کا کارفرما ہے۔ یہ تبدیلیٔ لباس کی ابلیس نے ضرورت کیوں محسوس کی؟ اسے یہ کرنا کیوں پڑا! اس کا وہ خود ہی جواب دیتا ہے کہ

"جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر"

اسے دیکھنا پڑا ہے کہ اب آدم بالغ ہوگیا ہے۔ اس کے بلوغ کے تقاضے پورے کرنے پڑیں گے۔ یہ ہے اصل صورت حال کہ معاشرہ اس مقام تک پہنچ چکا ہے کہ Authoritarianism اب چلنے والی چیز نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں ابھی کچھ معاشرے Back-ward موجود ہوں جو ابھی ذہنی و فکری ارتقاء کی سطح (STAGE) تک نہ پہنچے ہوں جہاں ان کو اپنے حقوق کا شعور حاصل ہو چکا ہو یعنی ابھی ان کو خود شناسی اور خود نگری کا مقام حاصل نہ ہوا ہو۔ وہاں یہ چل سکتا ہے لیکن ہمارے

معاشرے میں اس کے غیر معین عرصے تک چلنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔
میں بڑے دکھ کے ساتھ عرض کروں گا کہ اسلام کے نفاذ اور انتقال اقتدار کے جو مراحل ہیں ان میں سے پہلے مرحلے کے ضمن میں بھی تاحال نیم دلانہ اقدامات (Half Hearted) ہوئے ہیں۔ بلکہ اگر انہیں محض نمائشی سمجھا جائے تو ایسا سمجھنے والے کو غلط کہنا مشکل ہوگا۔ غور کیجئے کہ جب عائلی قوانین کو بھی شریعی عدالتوں کے حیطۂ اختیار سے باہر قرار دیا گیا ہے تو کیا یہ اس بات کی غمازی نہیں ہے کہ کچھ ایسے لوگ ہمارے صدر صاحب کو اپنی آراء سے اتنا متاثر کر لیتے ہیں جو نفاذِ اسلام سے خوف زدہ ہیں۔ اور وہ اس کے راستے میں رکاوٹیں ڈالنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور ہمارے صدر صاحب ان حضرات کی آراء کا پاس کرتے نظر آتے ہیں۔ عائلی قوانین وہ ہیں جن کو ہمارے ملک کے تمام مکاتیبِ فکر کے جید علماء خلافِ اسلام قرار دے چکے ہیں اس معاملے میں تو شیعہ مکتبِ فکر بھی اہل سنت کا ہم نوا رہا ہے۔ صرف ایک مختصر سا گروہ منکرینِ سنت اور تجدد پسندوں کا ہے جو ان کا حامی بلکہ اصل مرتب و مؤلف ہے۔ دوسرا مرحلہ قانون سازی سے متعلق ہے۔ ظاہر بات ہے کہ خلا تو نہیں رہ سکتا اگر کوئی قانون ساز ادارہ تو موجود نہیں ہے کیا یہ خلا آرڈیننسوں کے ذریعہ پر کیا جائے گا! کیا جس دور اور عہد سے ہم گزر رہے ہیں اس میں نظامِ مملکت کے چلانے کے اور قانون سازی کے تقاضے آرڈیننسوں سے کماحقہٗ پورے ہو سکیں گے! کیا ایک فرد واحد کی رائے اور اس کا حکم ہی لیجسلیچر کا قائم مقام بن جائے گا! اس کے لئے ایک اہم مرحلہ یہ ہے کہ قانون ساز ادارہ ہونا چاہیے۔ جو لوگ لیجسلیچر میں بیٹھنے کے مستحق ہوں گے ان کو بھی یہ معلوم ہوگا کہ ہماری قانون سازی (Legislation) کی حدود معین ہیں، ہم کتاب و سنت سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ اگر ایسی حماقت کریں گے تو کوئی اللہ کا بندہ عدالت عالیہ میں جائے گا اور اس کو چیلنج کر دے گا اور نہ صرف ہماری ساری محنت جو کسی مسودہ قانون پر صرف ہوئی وہ ضائع اور اکارت جائے گی بلکہ جن عوام و خواص کی ہم نمائندگی کر رہے ہیں ان میں الگ ہماری ہوا خیزی ہوگی۔ یہ دونوں چیزیں یعنی عدالت عالیہ کا یہ اختیار کہ وہ ایسے تمام قوانین کو (جو چاہے پہلے سے رائج ہوں یا زیر تجویز ہوں) کتاب و سنت سے متصادم و متخالف ہونے کی صورت میں مسترد و کالعدم قرار دے سکتی ہے اور قانون ساز ادارے کا وجود اور اس کا

Function بیک وقت ضروری ہیں۔ یہ دونوں جب ساتھ ساتھ موجود ہوں گی اور ایک دوسرے کو Balance کریں گی تب ہی درحقیقت گاڑی ہموار کے ساتھ آگے چل سکے گی۔ انتظامیہ بھی ہو اور قانون ساز ادارہ بھی۔ مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ صدارتی نظام رائج ہوتا ہے یا پارلیمانی۔ مجھے اگر دلچسپی ہے تو اس بات سے کہ ان کا قیام انتخابی عمل کے ذریعے ہونا چاہیے۔ البتہ میں اس موقع پر اپنی رائے کا اظہار ضروری خیال کرتا ہوں کہ میرے نزدیک خلافتِ راشدہ کا نظام صدارتی نظام سے قریب تر ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن میں کئی بار اس بات کا اظہار بھی کر چکا ہوں کہ خلافت راشدہ کا نظام جوں کا توں اور تمام و کمال قائم ہونا اب ممکن نہیں ہے ہمیں اپنے حالات کے مطابق اس میں اجتہاد سے کام لینا ہوگا اور جو دائرہ ہائے کار و حدود اس نظام میں قائم کئے گئے تھے ان کے اندر اندر رہتے ہوئے ہمیں اسلام کی شورائیت کی روح کو اپنے حالات و مصالح اور وقت کے مقتضیات کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔ اس وقت موقع نہیں ہے کہ اس مسئلہ پر میں تفصیل سے گفتگو کروں۔ اس کی متعدد مثالیں میں اپنی اس سلسلہ تقاریر کی ایک سابقہ گفتگو میں پیش کر چکا ہوں۔ یہاں میں صرف اس رائے کا اظہار کر رہا ہوں کہ میرے نزدیک صدارتی نظام اقرب ہے خلافت راشدہ کے نظام سے۔ لیکن اگر ہمارے ملک کے حالات و مقتضیات کے لحاظ سے پارلیمانی نظام کو زیادہ انسب خیال کر کے اختیار کیا جائے اس میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے۔ ہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اس کا اختیار کس کو حاصل ہے۔ کہ وہ اس ملک کے لئے صدارتی نظام قبول کرنے کا فیصلہ کرے یا پارلیمانی نظام کو۔! یہ اختیار کیا ایک فرد واحد کو یا چند مخصوص افراد کے گروہ کو حاصل ہے یا اس ملک کے رہنے والوں کی رائے کو اس فیصلے میں کوئی عمل دخل ہوگا!!

پس انتظامیہ ہو قانون ساز ادارہ ہو یا عدلیہ ہو ان تینوں کو کتاب و سنت کی جو تلوار لٹکی ہوئی ہے اس کا پابند رہنا ہوگا۔ قانون ساز ادارے (Legislature) کو بھی اور انتظامیہ کو بھی معلوم ہو کہ ہمیں غیر محدود اختیارات حاصل نہیں ہیں بلکہ ہم پابند ہیں کہ ہمارا ہر قدم اور قانون کتاب و سنت کے مطابق ہو — ایسا نہیں ہوگا تو وہ عدلیہ سے کالعدم و مسترد ہو جائے گا — اس ضمن میں اب میں ایک نازک مسئلہ

پر گفتگو کر رہا ہوں۔ توجہ سے سنیئے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان مسائل پر بڑی بڑی سنجیدگی سے ہمارے دانشوروں میں سے علامہ اقبال مرحوم نے غور و فکر کیا تھا۔ حیرت ہوتی ہے کہ ان کی نگاہ کتنی دور رس تھی۔ میں ان ہی اعتبارات ہی سے تو ان کی عظمت کا قائل ہوں۔ غور کیجئے کہ ایک شخص جس کا انتقال ۱۹۳۸ء میں ہوتا ہے وہ اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ اسلامی فقہ و قانون کی تدوینِ نو ہونی چاہیے۔ اسلامی شریعت کو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق مدوّن (Codify) کرنا چاہیے اجتہاد کا دروازہ کھلنا چاہیے اس ضرورت پر انہوں نے کس قدر مدلل بحثیں کی ہیں وہ ان کے خطبات میں موجود ہیں ان کی بڑی شدید خواہش تھی کہ ان کی زندگی ہی میں اس کا آغاز ہو جائے۔ ان کی اس خواہش کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ انہوں نے خوشامدانہ انداز میں بھی درخواستیں کی ہیں۔ مولانا انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے کہ آپ کسی طرح لاہور منتقل ہو جائیں۔ علامہ مرحوم کی نگاہ ان ہی پر جمی تھی۔ مولانا کاشمیریؒ کو علامہ نے لکھا کہ "شریعت کے اسرار و رموز اور اس کے تقاضوں کو میری نگاہ میں اس آپ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔ حدیث و فقہ کے اس وقت سب سے بڑے عالم آپ ہیں" یہ بہرحال علامہ مرحوم کی رائے تھی۔ "اور میں اس دور کے جو تقاضے ہیں ان کو کچھ جانتا ہوں" آخر بار ایٹ لا تھے۔ جدید نظریات کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ جدید تقاضوں کو خوب سمجھا تھا جرمنی، فرانس اور برطانیہ میں رہے تھے۔ وہاں کی اعلیٰ درس گاہوں سے استفادہ کیا تھا وہ جدید ملحدانہ افکار اور فلسفوں سے بخوبی واقف تھے جس کا انہوں نے اس طرح اظہار کیا تھا کہ

"کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل"

تو علامہ نے مولانا کاشمیری کی منتیں کی ہیں کہ خدارا لاہور تشریف لایئے تاکہ ہم دونوں مل کر قانونِ اسلامی کی تدوینِ نو کا مرحلہ طے کر جائیں۔ تاکہ کسی وقت بھی اس کی ضرورت محسوس ہو اور یہ تقاضا عملی طور پر کسی وقت ابھر کر سامنے آجائے کہ اسلامی قانون نافذ ہو تو اُس وقت یہ سوال پیدا نہ ہو کہ عہدِ جدید کے مطابق مدوّن اسلامی قانون کہاں سے لائیں؟"۔۔۔ لیکن مولانا کاشمیریؒ کے شاید اس وقت ذاتی حالات کچھ ایسے ہوں گے کہ وہ نقل مکانی نہ فرما سکے۔ اور افسوس کہ علامہ مرحوم کی یہ خواہش پوری

نہ ہو سکی ۔ اس کے ساتھ ہی علّامہ مرحوم نے بڑے شدّومد کے ساتھ یہ بات بھی کہی کہ اس دَور میں جو بھی "اجتہاد" ہوگا وہ پارلیمنٹ کی وساطت سے ہوگا۔ یہ بات بظاہر ایک دینی مزاج رکھنے والے کو گولی کی طرح لگے گی کہ علامہ نے یہ کیا بات کہہ دی ! پارلیمنٹ میں تو جہلا آجاتے ہیں ۔ وہ بھی آجاتے ہیں جن کو اپنے دستخط کرنے بھی نہیں آتے ۔ انگوٹھا چھاپ لوگ ۔ کوئی بڑا زمیندار جاگیردار اور صنعت کار کسی نہ کسی طریقے سے پارلیمنٹ میں پہنچ ہی جاتا ہے۔ پھر اجتہاد کا حق پارلیمنٹ کو کس طرح دیا جا سکتا ہے !! اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ علاّمہ کا حقیقی مفہوم اور مقصد کیا تھا ! جب آپ کی پارلیمنٹ یا اسمبلی یا لیجس لیچر ۔ آپ اُسے کوئی نام دیدیں ۔ کے سر پر تلوار لٹکی ہوئی ہے کہ قرآن و سُنت کے خلاف قانون سازی نہیں ہو سکتی تو دراصل یہ اس کے (CONDUCT) رویے کو GOVERN (مقیّد) کرنے والی چیز ہے ۔ اس کے تمام کاموں پر سب سے زیادہ موثر عامل (Factor) یہ دستوری فیصلہ ہوگا ۔ پھر ان ہی حضرات کو ووٹ لینے کے لئے بار بار اپنے حلقہ انتخاب کے رائے دھندگان کا مواجہہ (FACE) کرنا ہوگا ۔ لہذا ان کو انتہائی محتاط رہنا پڑے گا ۔ باقی رہا علماء کا معاملہ تو اس معاشرے میں ان کا اصل کردار (ROLE) یہ ہے کہ وہ عوام کی فکری و عملی تربیت کا کام کریں اور عوام یعنی Masses کو Educate کریں کہ اسلام کے تقاضے کیا ہیں ! لیکن اگر قانون سازی اور اجتہاد کا اختیار صرف علماء کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے تو بڑے ٹیڑھے مسئلے اُٹھ کھڑے ہوں گے ۔ کون سے علماء ! کس مکتبِ فکر کے علماء ! پھر یہ کہ کس دارالعلوم کی سند کسی کو عالمِ دین قرار دلائے گی اور کون سے مدرسے کی سند غیر مؤثر رہے گی !! اس طرح یہ جو پینڈولم (PENDULUM) وسیع تر ہو جاتا ہے ۔ اس سے بڑی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں ۔ اور یہ قابلِ عمل نہیں ہیں ۔ پھر اس سے علماء کا وقار بھی مجروح ہوتا ہے اور ان کی دعوت و تبلیغ کی مساعی بھی بے لوث نہیں رہتیں، ان کے متعلق یہ بدگمانیاں راہ پا سکتی ہیں کہ یہ سب کچھ اپنے تعارف اور اپنی شخصیت کو نمایاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ

شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝

پارہ ۲۲ سورہ الاحزاب رکوع ۵ آیت ۴۵، ۴۶

O Prophet ! truly We have sent thee as a Witness, a Bearer of glad tidings, and a Warner, and as one who invites to Allah's (Grace) by his leave and a lamp spreading light.

Karachi Port Trust **The Port of Pakistan**

PT-2-79 RIO(K)PID Ravi-Delmon Ltd.

کرنے کے لئے کیا جارہا ہے - یہ جان لیجئے کہ ہماری جو روایات رہی ہیں وہ یہ ہیں کہ کسی دور میں بھی علمائے حق نے کبھی بھی خود زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کی یا اس میں دخیل ہونے کی کوشش نہیں کی — سرکاری اور درباری علماء نے تو ہر دور میں بیڑا غرق کیا ہے - ہمارے علمائے حق نے یہ کام کیا ہے کہ وہ بالواسطہ طور پر (Indirectly) کاروبارِ حکومت پر اثر انداز ہوتے تھے - مثلاً جہانگیر کا دور ہے - وہ آسمان سے نہیں ٹپکا تھا - اس کے پاس دو تین لاکھ انسانوں کے مساوی اپنی ذاتی طاقت نہیں تھی - اس کے جو منصب دار ہیں، سپہ سالار ہیں، جاگیر دار ہیں، ان کے بل پر اس کی حکومت قائم تھی - ان کے ذہن کو بدلیئے، ان میں یہ جذبہ پیدا کیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مطابق چلنا ہے - تو حکومت تو ان ہی کے بل پر ہی تو قائم تھی - پارلیمنٹ تو اس وقت نہیں تھی، لیکن حکومت کا دبدبہ اور نظام جن لوگوں کے بل پر ہے - ان کے خلاف چلنا جہانگیر تو جہانگیر فرعون جیسے خدائی کے مدعی کے لئے بھی ممکن نہیں - اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جہانگیر کی غیر اسلامی روش کے متعلق بڑے منصب داروں، جاگیر داروں اور سپہ سالاروں کو خطوط کے ذریعہ توجہ دلائی - نتیجتاً ایک وقت وہ بھی آیا کہ ان کے ایک مرید سپاہ سالار نے شہنشاہ وقت جہانگیر کو گرفتار کر کے ان کے قدموں میں لا ڈالا کہ یہ مجرم حاضر ہے اور ان سے درخواست کی کہ آپ حکومت سنبھالیئے - انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ٹھیک ہے، میں ہوں آج سے شہنشاہ ہند — کہا تو یہ کہا کہ نہیں یہ ان ہی کے کرنے کا کام ہے، حکومت یہی کریں - ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ کتاب وسنت کے مطابق کاروبارِ حکومت چلے - یہ ہے اصل میں وہ بالواسطہ (INDIRECTLY) اثر انداز ہونے کا معاملہ

جو لیجسلیچر میں منتخب ہو کر آئے گا اسے معلوم ہے کہ کتاب وسنت کی پابندی کی تلوار لٹکی ہوئی ہے تو کیا وہ خود یہ معلوم کرنے کے لئے علماء کے پاس نہیں جائے گا کہ کتاب وسنت کا تقاضا کیا ہے! پھر یہ کہ اگر وہ دوبارہ بھی انتخاب میں حصہ لینے کا خواہش مند ہے اور اسے پھر عوام کے پاس جانا ہے - اب اگر ہمارے

علماء نے عوام میں دین کا جذبہ صادق اور صحیح شعور و فہم پیدا کر دیا ہے تو یہ دونوں چیزیں ان امیدواروں کو اِدھر سے اُدھر جانے کب دیں گی! ۔ صورتِ حال یہ ہو جائے گی کہ ان سے بڑھ کر کتاب و سنت کا شیدائی اور ان پر چلنے والا شاید ہی کوئی اور ہو ۔۔ اس لئے کہ اگر ان کے پیشِ نظر یہ ہے کہ ہمیں پھر پانچ سال کے بعد الیکشن کے موقع پر عوام کے پاس جانا ہے، پھر انہی سے ووٹ لینے ہیں تو وہ کوشش کریں گے کہ خود کو کتاب و سنت کی تعلیم کا حامل ثابت کریں ۔ پس معاشرے میں دین کا حقیقی جذبہ اور صحیح فہم ۔۔ یہ دو لفظ جو میں بول رہا ہوں اصلاح معاشرہ کے لئے ناگزیر عوامل کا درجہ رکھتے ہیں ۔۔ اگر یہ دونوں چیزیں موجود ہوں ۔ نمبر ایک جذبہ کہ دین پر چلنا ہے ۔ یہ فیصلہ ہے ۔ عزم ہے ۔۔ نمبر دو فہم یعنی یہ معلوم ہو کہ دین کیا ہے اور کیا نہیں ہے ۔ تو ایسے معاشرے میں بہروپئے مشکل سے کامیاب ہو سکیں گے ۔۔ یہ رائے عامہ بنانے والے کون ہوں گے! یہ علماء کی ذمہ داری ہے ۔ یہ ہر ہفتہ میں ایک دن یعنی جمعہ کو ہمارے علماء کو لوگوں کو خطاب کرنے کا جو موقع ملتا ہے وہ کسی اور کو کب ملتا ہے! یہ جو ہزاروں کی تعداد میں مسلمان نہا دھو کر کپڑے پہن کر مختلف مساجد میں جمعہ پڑھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں ۔ تو منبرِ رسول پر کھڑے ہو کر کوئی عالمِ دین کوئی نائبِ رسول لوگوں کو تذکرہ کرے اور ان کی تربیت کرے ۔ ان کو Educate کرے ۔ یہی تو اصل غرض و غایت ہے نظامِ جمعہ اور خطبہ جمعہ کی ۔ کان رسول اللّٰہ یقرئ القرآن و یذکر الناس ۔ لوگوں کو بتایا جائے کہ اسلام کیا ہے اور کیا نہیں ہے تاکہ ان کو کوئی دھوکہ نہ دے سکے ۔ اسلام کا لیبل لگا کر کوئی غیر اسلامی بات ان سے نہ منوا سکے ۔ پس عوام کی تعلیم و تربیت کے جتنے مواقع علماء کو حاصل ہیں کسی اور کو حاصل نہیں ہیں ۔ بشرطیکہ وہ خواہ مخواہ الیکشن بازی کے چکروں میں نہ پڑیں ویسے میں اس کو بھی حرام نہیں سمجھتا ۔ کوئی عالمِ دین اس میدان میں اترتا ہے کہ میں اس طرح دین کی زیادہ خدمت کر سکتا ہوں ۔ وہ یہ کام کرے ۔ یہ اس کی نیت کا معاملہ ہے، وہ جانے یا اللہ جانے ۔ لیکن میں جو بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا اصل مقصود کیا ہے! پیڑ گننے ہیں یا آم کھانے ہیں! اسلام کا نفاذ

پیش نظر ہے یا اپنی حکومت مطلوب ہے - !! اگر اسلام کا نفاذ محبوب ہے تو میرے نزدیک بالواسطہ اثر اور دباؤ (Indirect Influence) سے زیادہ کارآمد، مفید اور موثر ہے - لوگ آپ کی بات کھلے دل کے ساتھ سُنیں گے اور ان کے سامنے یہ بات نہیں ہوگی کہ یہ سب کچھ اس لئے کہا جارہا ہے کہ یہ خود بھی اُمیدوار ہے اور اس کی پارٹی الیکشن لڑ رہی ہے - لیکن اگر آپ الیکشن میں امیدوار کی حیثیت سے عوام کے سامنے آتے ہیں تو آپ کی تمام باتیں اُن لوگوں کے کانوں میں پڑیں گی جو پہلے سے آپکے خلاف (Bias) ہوں گے - اور ایک تعصب رکھتے ہوں گے اور ان کے احساسات یہ ہوں گے یہ اسلام کی ہمدردی میں جو باتیں کہہ رہا ہے، وہ اپنی پارٹی اور اس کے منشور اور اپنی ذاتی مصلحت کے نقطۂ نظر (Point of View) سے کہہ رہا ہے - لیکن جب لوگوں کو معلوم ہو کہ نہیں یہ شخص کسی سیاسی پارٹی سے متعلق نہیں ہے - ممبری اور کرسی اس کا مطمح نظر نہیں ہے نفع و خیر خواہی ہی اس کا اصل مقصود و مطلوب ہے، تو لوگ آپ کی بات سُنیں گے اور آپ کی بات سمجھیں گے، اس کا اثر قبول کریں گے - تو یہ ہے میرے نزدیک سب سے زیادہ مؤثر طریقہ، جو لوگ خلوصِ دل سے اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی آرزو و تمنا رکھتے ہیں - ان کیلئے یہ راستہ اختیار کرنا کہ وہ خود کسی سیاسی منصب کے امیدوار نہ ہوں اور اصلاح معاشرہ کے لئے ہمہ تن دین کی حقیقی دعوت و تبلیغ ہی میں اپنی توانائیوں اور صلاحیتیں کھپائیں میرے نزدیک احسن اور صحیح طرزِ عمل ہے -

پھر علماء کے لئے یہ موقع اور یہ راستہ بھی موجود ہے کہ اگر لیجس لیچر میں کوئی غیر اسلامی قانون سازی ہو رہی ہو یا ہو چکی ہو تو وہ عدالت میں جائیں اور دلائل و براہین سے اس کا خلافِ کتاب و سُنت ہونا ثابت کریں اور اس کو کالعدم قرار دلادیں — ظاہر بات ہے کہ جو کوئی بھی الیکشن کا امیدوار عوام کے پاس ووٹ لینے جائے گا اس کو عوام کے احساسات، ان کے معتقدات، ان کے مشاغل اور ان کے اخلاق اعمال و کردار کا پاس رکھنا پڑے گا - اُسے اُن خرابیوں سے مداہنت اور صرف نظر کرنا پڑے گا جو ہمارے عوام کی عظیم ترین اکثریت میں

رچی بسی ہیں - وہ انتخابی مہم کے دوران عوام کی غلط باتوں پر نہ تنقید کر سکے گا نہ ان کو وعظ و نصیحت کر سکے گا - یہ بالکل دو اور دو چار کی طرح کی اٹل اور اصولی بات ہے - آپ اس کو کبھی بدل ——————
نہیں سکتے - الیکشن کا کوئی امیدوار تو شاید ہی عوام کو بدل سکے اور کر سکے البتہ عوام اس امیدوار کو ضرور بدل دیں گے اور یہ امیدوار عوام کی خوشنودی کے لئے اپنے نظریات و معتقدات کو چھپائے گا بھی اور ان کے خلاف عمل بھی کرے گا[1] - اس کی زبان پر تالے پڑ جائیں گے کہ نصیحت اور تنقید والی یہ بات مجھے نہیں کہنی چاہیئے، شاید یہ ان کو اچھی نہ لگے اور میری الیکشنی مہم پر اثر انداز ہو - لیکن جن علماء دینی جماعتوں اور ان کے کارکنوں کو اس میدان میں جانا ہی نہیں ہے تو بلا خوفِ لومتِ لائم وہ عوام کی اصلاح و تربیت کے لئے جرأتِ مومنانہ کے ساتھ وہ بات کہیں گے جو قرآن و سنّت کے عین مطابق اور اس کا صحیح تقاضا ہے - اس طرح عوام کی دینی نہج پر اصلاح و تربیت، ان کی تطہیرِ افکار اور تعمیرِ سیرت و کردار کے لئے وسیع میدان مل سکے گا - یہ تو ہو سکتا ہے کہ میں کتاب و سنت کا تقاضا سمجھ کر اخلاص کے ساتھ کوئی بات کہوں اور اس میں مجھے مغالطہ لاحق ہو گیا ہو - کوئی شخص معصوم نہیں ہے - لیکن مجھ پر کوئی شخص بھی یہ شک نہیں کر سکے گا کہ میں اپنی ذاتی اقتدار پسندی کی وجہ سے یہ بات کہہ رہا ہوں - جو بھی اس کو سنے گا تو وہ اُسے Face Value پر جانچے گا کہ صحیح ہے یا غلط! البتہ یہ ضروری ہے کہ علماء کے لئے یہ راستہ کھلا ہونا چاہیئے کہ وہ سپریم کورٹ میں جائیں اور ہر اس قانون اور تعزیر کو چیلنج کریں جو ان کے علم کے مطابق قرآن و سنّت کے منافی ہو اور کتاب و سنت ہی کے دلائل سے عدالت عالیہ سے فیصلہ کرائیں، جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں - آخری اختیار تو وہیں مرتکز ہو گا - اس طرح فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ

---

[1] ۷۷ء کے الیکشن میں اس عاجز نے خود اپنے کانوں سے ایک معروف دینی جماعت کے زعماء کو نعرۂ رسالت اور نعرہ حیدری لگاتے سنا ہے جن کے حقیقی معتقدات کے لحاظ سے ایسے نعرے لگانا مشرکانہ مبتدعیانہ فعل ہے (مرتب)

الرَّسُوْلِ کا تقاضا باحسن پورا ہو سکے گا — تو میرے نزدیک یہ ہے صحیح طریق کار (Procedure) اس میں عوام کی جہالت سے ڈر کھا کر اور ان کے جذبات سے گھبرا کر الیکشن کے عمل (Process) ہی کو روک دیا جائے تو یہ صحیح نہیں ہوگا — اس سے جو خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں اس کا جو ردّ عمل ہو رہا ہے اور اس کے جو مضر اثرات پھیل رہے ہیں، اس کا ان لوگوں کو زیادہ صحیح اندازہ ہے جو ملک میں گھومتے پھرتے ہیں جو مختلف علاقوں میں جاتے ہیں، جن کا معاشرے کے ہر طبقے سے قریبی رابطہ رہتا ہے — ان کو غیر معیّن مدت کے لیے انتخابات کو معرضِ التوا میں رکھنے کی وجہ سے عوام کی بے چینی اور احساسات سے واقفیت کے حصول کے زیادہ مواقع میسر آتے ہیں — لہٰذا میں ملک و ملّت کی بھلائی اور خیر خواہی میں یہ بات عرض کرتا ہوں کہ ہمارے ملک میں انتخابات کا عمل (Process) جس قدر جلد شروع ہو سکے اتنا ہی بہتر ہے — کوئی نامزد وفاقی کونسل یا مجلسِ شوریٰ اور کوئی بھی دوسرا نامزد ادارہ آپ جو چاہیں اسے نام دے لیں عوام کی منتخب کردہ اسمبلی کا کسی طور پر بھی بدل نہیں ہو سکتا — اس نامزد کونسل کی تشکیل بھی کافی عرصے سے وعدہ فردا کی طرح ٹلتی جا رہی ہے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کب تشکیل پائے گی — ! اور نہ ہی ORDINANCE کے ذریعے زیادہ تر تک کاروبارِ حکومت چلایا جا سکتا ہے — یہ عوام کی خود شعوری اور خود نگری کا دور ہے — جو بھی وقت اور دور کے تقاضوں کو نظر انداز کرے گا وہ خود بھی نقصان اُٹھائے گا اور ملک کو بھی اس سے دوچار کرنے کا باعث بنے گا۔ محرومی کے احساس عوام کو وہ کچھ کرا دیتے ہیں جن کا تصوّر بھی ایک حساس اور دل درد مند کو لرزا دیتا ہے — مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں جہاں دوسرے بہت سے عوامل نے کام کیا ہے وہاں اس احساسِ محرومی کا بھی بڑا موثر دخل رہا ہے —

ایک دوسرے اہم ترین موضوع اور مسئلہ پر میں آج گفتگو نہیں کر سکا۔ میری خواہش یہ تھی کہ آج کی تقریر میں، میں اس پر اظہارِ خیال کر کے قرآن حکیم کی سیاسی تعلیمات کے اس موضوع پر بات مکمل کر لوں گا — لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے میرے لئے اس پر مفصل گفتگو اس موقع پر ممکن نہیں — اس پر ان شاء اللہ

آئندہ گفتگو ہوگی - اس مقصد کے لئے میں ایک جمعہ اور لوں گا — اس وقت مختصر طور پر یہ بات سمجھ لیجئے کہ اسلامی نظام کے نفاذ میں ایک بہت رکاوٹ شروع سے حائل ہوتی چلی آرہی ہے - وہ فقہی اختلافات کا مسئلہ ہے - اس کا کیا کریں ؟ یہ لاینحل مسئلہ ہے یا اس کا کوئی حل موجود ہے - ؟ میں نے گذشتہ سال علماء کنونشن میں بھی کہا تھا کہ دیکھئے ملک بننے کے فوراً بعد یہاں اسلامی دستور اور قانون کا مطالبہ لے کر ایک جماعت خاص طور پر آگے آئی اور لوگوں نے اس کا ساتھ دیا اس لئے کہ پاکستان بنا ہی اس لئے تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا - لا الٰہ الا اللہ - اس نعرے کی بدولت اُس وقت جو فضا بن گئی اور Create ہو گئی تھی اس کے عین مطابق یہ مطالبہ تھا کہ اب پاکستان بن گیا ہے لہٰذا جلد از جلد اسلام نافذ کیا جائے - اس مطالبے میں کوئی دو رائیں رکھنے کا امکان ہی نہیں تھا - لیکن میں آپ کو یاد دلاؤں گا کہ پاکستان کے قیام کے وقت جو قیادت برسر اقتدار تھی - ان کی طرف سے اس مطالبے کے جواب میں یہ بات بار بار آتی تھی کہ کس کا اسلام نافذ کریں ؟ سُنّی کا یا شیعہ کا - ؟ حنفی کا یا اہل حدیث کا - ؟ پھر احناف میں بھی سے دیوبندی کا یا بریلوی کا - ؟ اور یہ بات کن لوگوں کی طرف سے آتی تھی ! یہ ہماری تاریخ کا بڑا تلخ باب ہے - لیکن قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس زمانے میں یہ باتیں کہنے والے کون لوگ تھے ! وہ لوگ جن کا اخلاص اور جن کی ذاتی طور پر اسلام سے وابستگی ہر شبہہ سے بالاتر ہے - وہ تھے ڈاکٹر اشتیاق حسین مرحوم ، ڈاکٹر محمود الحسین مرحوم - سردار عبدالرّب نشتر مرحوم — اس کے بعد اضافہ ہوا تھا جناب اے کے بروہی صاحب کا جنہوں نے اس زمانے میں چیلنج کے انداز میں کہا تھا کہ جو شخص یہ ثابت کردے کہ قرآن مجید میں کوئی دستور موجود ہے تو میں اُسے اتنے ہزار روپے نقد انعام دوں گا — اس وقت اسلامی دستور اور اسلامی قانون کے نفاذ کے خلاف جو سب سے بڑی دلیل آئی تھی وہ یہی تھی کہ کس کا اسلام نافذ ہو ! یہاں تو بہت سے فرقے ہیں بڑی فرقہ بندی ہے اور ان میں بڑی کشمکش ہے - بڑے اختلافات ہیں تعصّبات اور عصبیتیں ہیں - تو اسلام لائیں تو کس کا لائیں - ؟ میں نے علماء کنونشن میں جہاں ہر مکتب فکر

کے علماء و مشائخ موجود تھے اور اہل دانش و بینش بھی، یہ عرض کیا تھا کہ اگر یہی مسئلہ اس وقت بھی اسلامی نظام کے راستے میں آڑے آیا تو ثابت ہو جائے گا کہ ان حضرات کا جن کا میں نے ابھی نام بنام ذکر کیا کہنا صحیح تھا۔ اگر ہمارے یہ باہمی مسلک کے اختلافات، فرقہ واریت کے اختلافات اور گروہی و فقہی اختلافات یہاں اسلامی نظام، قانون اور شریعت کے نفاذ میں کسی درجے میں بھی رکاوٹ کا باعث بنے تو جان لیجئے کہ اس بات پر مہر تصدیق ثبت ہو جائے گی جو یہ اعتراضات پیش کر رہے تھے اور ان کی بات غلط ثابت ہو جائے گی جو اس وقت اس کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اور پھر یہی ہتھیار وہ لوگ جو اسلامی نظام کے نفاذ کے مخالف ہیں اور لادینی (Secular) نظام کے حامی ہیں ان لوگوں کے خلاف نہایت موثر اور کارگر انداز میں استعمال کریں گے جو دل سے یہاں بشریعت اسلامی کے نفاذ کے دلدادہ خواہش و آرزومند بھی ہیں اور کوشاں بھی ہیں اس کا ایک حل وہاں علماء کنونشن میں بھی پیش کیا تھا اور اب میرا ارادہ ہے کہ میں آئندہ جمعہ اسی موضوع پر اظہار خیال کیلئے آپ حضرات سے مانگ لوں اور فقہی اختلافات کا جو حل بھی غور و فکر کے نتیجے میں میرے سامنے آیا ہے وہ میں آپ کے سامنے پیش کر دوں۔ تاکہ اس عذاب کی ہوا نکل جائے کہ اس کا کوئی حل موجود نہیں ہے۔ تحدیث نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ علماء کنونشن میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت سے لوگوں نے مجھے مبارکباد دی۔ بھارت کے مقتدر عالم دین۔ الفرقان لکھنو کے مدیر معمر اور بزرگ اور معارف الحدیث جیسی عظیم الشان کتاب کے مولف، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممتاز رکن جناب مولانا محمد منظور نعمانی صاحب نے میثاق میں میری علماء کنونشن والی تقریر پڑھ کر مجھے جیسے بے بضاعت کی تحریری طور پر تحسین فرمائی اور اس امر کا اظہار کیا کہ فقہی اختلافات کا یہ بہترین حل ہے جو تم نے علماء کنونشن میں پیش کیا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔ لہٰذا یہ بات تو ذہن سے نکال دیجئے کہ یہ مسئلہ لاینحل ہے۔ اس کا حل موجود ہے۔ اس کے لئے سر جوڑ کر بیٹھنے اور اُمت کے عظیم تر مفاد میں اس پر اتفاق کرنے اور اس پر عزم بالجزم کی ضرورت ہے۔ انگریزی کی کہاوت ہے کہ Where there is a Will,

There is a Way. لہٰذا اخلاص کے ساتھ کسی کام کا ارادہ ہو تو ہر رکاوٹ کو دور کیا جا سکتا ہے۔

میں نے آج جو باتیں عرض کی ہیں۔ ان کا خلاصہ میں آپ کے سامنے پیش کر کے اپنی آج کی یہ گفتگو ختم کروں گا۔

● میں عام معنوں میں ہرگز کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں۔ انتخابات کی سیاست کبھی بھی میرے پیش نظر نہیں رہی نہ ان شاء اللہ آئندہ رہے گی۔ میری جماعت 'تنظیم اسلامی' کے بنیادی اصولوں میں یہ بات شامل ہے کہ تنظیم بحیثیت تنظیم اور اس کا کوئی رفیق اس سے وابستہ ہوتے ہوئے کبھی کسی نوع کے سیاسی الیکشن میں حصہ نہیں لے گا۔

● میں نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ اس ملک کی خیر خواہی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی تعمیل میں عرض کیا ہے کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ: قلنا لمن؟ قال: للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتہم۔

● میں نے محض نظریاتی باتیں ہی پیش نہیں کی ہیں بلکہ موجودہ ملکی حالات کا میں نے جو مشاہدہ کیا ہے اس کے متعلق میرے جو حقیقی احساسات ہیں اور جن چیزوں کو میں ملک کے لئے مضر سمجھتا ہوں ان کو بھی بیان کیا ہے اور جن خطوط پر چل کر اور جن باتوں پر عمل پیرا ہو کر اس ملک میں صحیح و حقیقی اسلام کی گاڑی کو چلانا ممکن ہے۔ ان کو بھی آپ حضرات کے سامنے رکھ دیا ہے۔

● میرے نزدیک ہمارے ملک میں انتخابات کا عمل جلد از جلد جاری ہونا از بس ضروری ہے ہم عہد حاضر کے تقاضوں کو نظر انداز کریں گے تو اپنے عوام کو محرومی کے مرض میں مبتلا کرنے کا باعث بنیں گے۔ یہ احساس محرومی علاقائی اور گروہی عصبیت پیدا کرنے اور جو پہلے سے موجود ہیں ان کو ہوا دینے کا سبب بنے گا اور یہ لاوا آتش فشاں کی طرح جب پھٹے گا تو پھر کسی کے بنائے کچھ نہیں بنے گا۔

● ایک اہم بات جو میں اس سے قبل بھی بارہا کہہ چکا ہوں وہ یہ ہے کہ میں

اپنے دلی یقین کی بنیاد پر یہ رائے رکھتا ہوں کہ یہ ملک قائم اور باقی رہے گا تو صرف اسلام کی بنیاد پر ہی رہ سکے گا - ورنہ اس کے باقی رہنے کا کوئی امکان نہیں ہے - کوئی بیرونی امداد اس کو وقتی طور پہ سہارا دیدے تو دیدے - میں جانتا ہوں کہ بین الاقوامی سیاسیات کے تقاضوں کے تحت یہ عمل جاری رہتا ہے - لیکن یہ ایک منفی سہارا ہوتا ہے اور اپنے پاؤں پہ کھڑے ہونا اور اپنی قوتِ ارادی کے بل پر اپنے وجود کو تسلیم کرانا، اور اپنا وقار قائم رکھنا بالکل دوسری چیز ہے - دوسروں کی حکمتِ عملی (STRATEGY) میں وقتی طور پر فِٹ ہوجانا اور ان کے سہاروں پر وقتی طور پر کھڑا ہوجانا شئے دگر ہے۔ ـــــ تو جہاں تک پاکستان کے وجود کی پہلی نوعیت ہے اس کے لئے واحد اساس اسلام اور صرف اسلام ہے - اس ضمن میں ہم سے جو کوتاہیاں ہوئیں تھیں ان کا نتیجہ ہم نے بُھگت لیا کہ ملک دو لخت ہوا - اب اگر مزید وہ کوتاہی جاری رہی تو تاریخ اپنے عمل کو دھراتی ہے - تاریخ کا عمل ذرا سست ہوتا ہے اور ہم بھول جاتے ہیں - ایک بہت بڑا حادثہ ہمارے ساتھ ہوا لیکن اب وہ ہمارے حافظے سے محو ہوچکا ہے اور اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی اور اُس سے بھی بڑا حادثہ مستقبل قریب میں پیش نہ آئے ـــــ لہٰذا اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ قبل از وقت مسئلے کو سمجھا جائے اور اس کے صحیح حل کے لئے پیش بندی کی جائے اور جن لوگوں کے ہاتھ میں اختیارات ہیں وہ مخلصانہ طور پر اپنی دینی اور ملی ذمہ داریاں ادا کریں -

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات -

---

قرآن ـــــ معیارِ حق و باطل اور

سُنّت ـــــ صراطِ مستقیم کا عملی نمونہ ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

مجلسِ شوریٰ (وفاقی کونسل) میں شمولیت کی وضاحت

ڈاکٹر اسرار احمد

کا ایک اہم خطابِ جمعہ

۱۵ جنوری ۸۲ء کے اجتماعِ جمعہ میں مسجد دارالسلام میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مندرجہ بالا موضوع پر جو اہم خطاب فرمایا تھا اس کو عزیزم ڈاکٹر عارف رشید سلمہ نے ٹیپ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر لیا تھا جو پیشِ خدمت ہے، تاکہ ڈاکٹر صاحب موصوف کا موقف وضاحت کے ساتھ سامنے آجائے اور اخبارات کی غلط رپوٹنگ اور سنسنی خیز سرخیوں سے اگر کچھ غلط فہمیاں راہ پا گئی ہوں تو ان کا ازالہ ہو سکے۔ یہ خطاب جوں کا توں صفحہ قرطاس پر منتقل کیا گیا ہے۔ اس میں صرف جملوں کی ساخت کو تحریری انداز دینے کے لئے معمولی حک و اضافہ اور مکررات کو حذف کیا گیا ہے۔ نیز بغلی عنوانات بھی لگائے گئے ہیں۔ (مرتب)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بعد: قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ عَزَّ وَجَلَّ فِیْ سُوْرَۃِ المَائدۃ:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰہَ

وَعَنْ اَبِیْ رُقَیَّۃَ تَمِیْمِ بْنِ اَوْسٍ الدَّارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ: اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ـ

قَالَ: اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَ لِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ (رواہ مسلم)
وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا...

اما بعد:- رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَہُوْا قَوْلِیْ ط آمین یارب العلمین ٥

حضرات! آپ کو اخباری اطلاع سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ آج کے اس اجتماع میں مجھے وفاقی کونسل یا مجلسِ شوریٰ میں اپنی شرکت کے ضمن میں اپنا موقف وضاحت کے ساتھ آپ کے سامنے رکھنا ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ آپ کا بھی حق ہے اور میرے جتنے بھی مخلصین اور معاونین اور مجھ سے تعلق اور ہمدردی رکھنے والے اور میرے کاموں میں دامے، درمے اور سخنے تعاون کرنے والے سب حضرات کا بھی حق ہے کہ اس معاملے میں اُن کو نفیاً یا اثباتاً جو تشویش ہوئی ہے، اس کے متعلق میں اپنی رائے آپ حضرات کے سامنے رکھ دوں۔ آپ بھی حتی الامکان کوشش کریں کہ پہلے سے کسی طے شدہ رائے اور خیال کو اپنے ذہن سے نکال دیں اور جو باتیں میں اس وقت آپ حضرات کے گوش گذار کرنے والا ہوں انہیں حتی الامکان خالی الذہن ہو کر سُنیں اور اُن پر غور کریں۔ اس کے بعد بھی جو رائے آپ کی ہوگی اور جو رہنمائی بھی آپ میری فرما سکیں گے، میں خود بھی اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ چاہے وہ مشورہ اور راہنمائی انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی شکل میں ہو، میں آپ حضرات کی رائے معلوم کرنے کے لئے بے چین رہوں گا۔ آپ کے علم میں ہے کہ میں نے کبھی 'عقلِ کُل' ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ اپنی امکانی حد تک جو بات سمجھ میں آتی ہے اُس پر عمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے پہلے بھی میں اپنی تقاریر میں اپنے موقف کا اظہار کر چکا ہوں معصومیت صرف خاصہ نبوت ہے۔ اس کے بعد خطائے اجتہادی کا امکان صحابۂ کرام سے بھی ہو سکتا ہے لہٰذا ہم کس شمار و قطار میں ہیں کہ ہم سمجھ بیٹھیں کہ ہمارے کسی فیصلے میں غلطی نہیں ہو سکتی۔

اسلامی تحریک کی بنیاد

اس ضمن میں سب سے پہلی بات جس کی طرف میں آپ کی توجہ منعطف ہو دہ یہ ہے کہ یقیناً میرے کچھ نہ کچھ سماجی سیاسی اور معاشی نظریات ہیں۔ بلکہ زیادہ صحیح تر الفاظ میں یوں کہنا چاہیئے کہ میرا اپنا مطالعہ ہے قرآن حکیم کا اور اسلام کا جس کی رو سے میری ایک رائے ہے کہ اسلام کا سماجی نظام کیسا ہونا چاہیئے، عائلی نظام کن بنیادوں پر استوار ہونا چاہیئے اور اسلام کی معاشی اور سیاسی تعلیمات کیا ہیں!۔

خوش قسمتی سے گزشتہ ایک سال کے دوران میں ان تینوں موضوعات پر خطبات جمعہ میں سیر حاصل گفتگو کر چکا ہوں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اپنے سفر امریکہ سے پہلے میں نے "اسلام کا معاشی نظام" یا "قرآنِ حکیم کی معاشی تعلیمات" کے موضوع پر گفتگو کی تھی۔ پھر امریکہ سے واپسی کے بعد "اسلام کے سیاسی نظام" کے موضوع پر خطباتِ جمعہ کے چھ اجتماعات میں تفصیلی گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد چار یا پانچ خطباتِ جمعہ میں اسلام کے عائلی یا معاشرتی نظام پر میں سیر حاصل گفتگو کر چکا ہوں۔ اور اس ضمن میں یہ بات میں بار ہا عرض کر چکا ہوں کہ یہ میرے ذاتی نظریات نہیں ہیں بلکہ یہ وہ نظریات ہیں جو ہمارے نزدیک قرآن حکیم، سنتِ نبوی علیٰ صاحب الصلوٰۃ والسلام ماخوذ ہوئے ہیں۔

"لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں ان میں سے کسی ایک یا ایک سے زائد نظریے کے حق میں کوئی تحریک لے کر اُٹھوں اور اس کو اپنی جدوجہد کا ہدف بنالوں ۔"

مثال کے طور پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ "پردہ" قرآن اور سنت کا ایک لازمی تقاضا ہے، خواتین اور مردوں کا جداگانہ دائرہ کار اسلام کی تعلیمات کا ایک بنیادی اصول ہے — لیکن اس ایک ISSUE کو اپنی تمام جدوجہد کا اور اپنی توانائیوں کا ہدف بنالینا میں مناسب نہیں سمجھتا — جس طرح ایک بزرگ دینی جذبے کے تحت قینچی ہاتھ میں لے کر بے پردہ عورتوں کی چوٹیاں کاٹا کرتے تھے اور یہی اُن کی جدوجہد کا ہدف تھا اور یہی جہاد کرتے ہوتے وہ جیل میں پہنچ گئے — تو یہ ہوسکتا ہے کہ آپ کسی بھی سماجی یا تہذیبی برائی (EVIL) کو اپنی جدوجہد کا موضوع بنا کر کوئی تحریک اٹھائیں اور تمام محنت اُس پر صرف کر دیں ۔ لیکن میرا یہ طریق نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے نزدیک ان تمام خرابیوں کی ایک جڑ ہے جس کے بارے میں اپنی اس گفتگو میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا

کہ وہ جڑ کون سی ہے۔ میرا موقف یہ ہے کہ جب تک اس جڑ پر وار نہ ہوگا اور اس بنیاد میں تبدیلی نہ ہوگی تو شاخوں اور پتوں کی تراش خراش کرانا "سعیٔ لاحاصل" ہوگا۔ لہٰذا جہاں تک کسی نظریہ کو بیان کرنے کا تعلق ہے، وہ بغرض تفہیم ضرور بیان کروں گا کہ اسلام کا معاشی نظام کیا ہے اس کا سیاسی نظام کیا ہے اور اس کو بیان کرنے میں میں ہرگز کسی مداہنت سے کام نہ لوں گا۔ اپنے دوستوں کا خیال یا زمانے کے چلن کا خیال میری زبان پر تالا بن کر نہ پڑ سکیں گے لیکن جہاں تک میری جدوجہد کا میری کوشش کا اور اپنی توانائیوں کے مرتکز کرنے کا ہدف ہے وہ ان شاء اللہ وہی رہے گا جس کو میں نے علیٰ وجہ البصیرت اختیار کیا ہے جس پر میں بعد میں اظہار خیال کروں گا۔

اسی طرح میرے نزدیک قرآن مجید کی معاشی تعلیمات کے ضمن میں سود جتنی بڑی برائی ہے جس کے لئے میں آپ کو بارہا حضور اکرمؐ کی وہ حدیث سنا چکا ہوں کہ سود کے ستر حصے ہیں اور ان میں سے کم سے کم یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے ساتھ بدکاری کرے۔ اور اسی معاشرے کو سود نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے میں اس کی مذمت حسب موقع ضرور کروں گا۔ اس طرح مزارعت میرے نزدیک حرام ہے اور میں اپنی یہ رائے پورے شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکا ہوں کہ امام ابوحنیفہ رح کے اس کے بارے میں فتویٰ پر مجھے یقین ہے کہ وہ بالکل درست ہے جس میں امام اعظم رح نے مزارعت کو ناجائز قرار دیا ہے اور اگر ہم جائزہ لیں کہ ہمارے تمام آئمہ دین کا موقف کیا ہے اور احادیث نبویہ کو سامنے رکھیں تو بھی یہی معلوم یہ ہوگا کہ Absentee Landlordism اور مزارعت حرام ہے ۔ لیکن یہ جان لیجئے کہ اس بنیاد پر بھی میں کسی تحریک کو اٹھانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اب تک کوئی تحریک اٹھائی ہے اور ان شاء اللہ نہ آئندہ اٹھاؤں گا لیکن اس ضمن میں اپنے مطالعہ قرآن و سنت سے جو بات میرے سامنے آئی ہے اس کے بیان کرنے میں میں کسی قسم کی کوئی مداہنت اختیار نہیں کروں گا ۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ ملک بنیادی طور پر جاگیرداروں اور زمینداروں کا ملک ہے اور یہاں اس شخص کے لیے سانس لینا مشکل ہو جائے گا جو یہ رائے رکھتا ہو کہ مزارعت حرام ہے ۔ اس ملک کی اصل معیشت زرعی معیشت ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس بارے میں عام دستور کے بالکل خلاف اس قدر بڑی رائے رکھنا حالات کے تقاضے کے مطابق

نہیں ہے لیکن میں حالات کے تقاضوں سے متاثر ہو کر اپنے فیصلے نہیں کیا کرتا بلکہ میرے فیصلے الحمد اللہ صرف اس بنیاد پر ہوتے ہیں کہ قرآن حکیم اور سنتِ نبوی کی تعلیمات کیا ہیں — !
سے میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

بایں ہمہ میں اس مسئلے پر بھی تحریک اٹھانے کو صحیح نہیں سمجھتا اس لئے کہ میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بحالاتِ موجودہ اگر اس نوعیت کی کوئی تحریک چلائی جائے تو اس کا تمام فائدہ کمیونسٹوں کو پہنچے گا۔ اس لیے کہ اگرچہ میرے اور اُن کے درمیان ایک جزوی اتفاق ہے لیکن بحالات موجودہ اِس جزوی کام کے ضمن میں تحریک اُٹھا کر میں یہ نہیں چاہتا کہ اس کا سارا نفع وہ قوتیں لے جائیں اور فصل وہ کاٹیں جو یہاں سوشلزم اور کیمونزم کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں اور جن کا بنیادی نقطۂ نظر خالص مادہ پرستانہ ہے، جنہیں دین سے کوئی سرکار نہیں ہے اور جن کا ایمان کے بنیادی حقائق کے بارے میں کوئی مثبت طرزِ عمل نہیں ہے — لہٰذا اگرچہ معاشی نظام کے بارے میں میری رائے وہ ہے جس کا پہلے بھی اظہار کر چکا ہوں اور اب اس کا اعادہ کر رہا ہوں لیکن میں نے اس مسئلے پر نہ پہلے کوئی تحریک اٹھانے کا فیصلہ کیا اور نہ آئندہ کوئی خیال ہے۔

اسی طریقے پر یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ میرے سیاسی نظریات بھی ہیں اور میں نے برملا کہا ہے کہ عہدِ حاضر میں اطرافِ عالم میں جس کو جمہوریت کہا جاتا ہے اور جس کی بنیاد ہے "عوامی حاکمیت"۔ قطعاً صحیح نہیں ہے لیکن اگر اس بنیاد یعنی عوامی حاکمیت کو نکال دیا جائے اور اگر Popular Sovrienty کی بجائے Divine Sovereignty یعنی حاکمیت الٰہیہ کی بنیاد پر پورا نظام عوامی خلافت کے اصول پر قائم کرنا مطلوب ہو تو میرے نزدیک یہی دین کا تقاضا ہے، اور اسلام کی تعلیم یہی ہے اور اَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ کا تقاضا بھی اسی طرح پورا ہو سکتا ہے کہ حکومت کو بنانے اور اُس کے نظام کو چلانے میں یہاں کے بسنے والوں کی رائے کو عمل دخل ہو اور یہ نہ سمجھا جائے کہ کوئی ایک طبقہ، خاندان یا کوئی گروہ ہم پر حکمران ہے اور ہمارے سیاسی حقوق پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے — یہ تمام باتیں میں تفصیل کے ساتھ عرض کر چکا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود میں کسی بحالی جمہوریت کی تحریک میں نہ کبھی پہلے شریک ہوا ہوں اور نہ آئندہ شریک ہوں گا۔ اور یہ اس لیے کہ اس ضمن میں اگر کوئی کوشش

ہوگی تو وہ Secular Democracy کا ذہن رکھنے والے حضرات کی تقویت کا موجب ہو گی۔ اُن لوگوں کے ہاں دین زندگی کے ایک گوشے میں علیحدہ سے رکھی جانے والی ایک چیز ہے اور اُس کا عمل دخل بھی محدود ہے باقی اصل میں اُن کے ذہن میں جو تصور ہے وہ SECULAR DEMOCRACY کا یعنی لادینی جمہوریت کا یا National Democracy یعنی قومی جمہوریت کا ہے۔ میرے نزدیک اس قسم کی کوئی تحریک خواہ وہ ایوب خان کے دور میں اٹھی ہو خواہ بعد میں درست نہیں تھی اور میں نے ان میں سے کسی میں بھی قولاً یا عملاً کوئی حصہ نہیں لیا۔ ذہن میں رکھئے کہ جس وقت صدر ایوب کے خلاف مہم چلی ہے اور ڈاکٹر مبشر حسن صاحب اور ان کے ساتھ حنیف رامے نے ابتدائی کام کرنا شروع کیا ہے، بھٹو صاحب تو میدان میں بہت بعد میں آئے ہیں اور ان حضرات نے ان کے ساتھ اشتراک (ASSOCIATION) کیا ہے۔ میں انہی دنوں لاہور منتقل ہوا تھا۔ تو ان حضرات نے مجھ سے بھی اس سلسلے میں رابطہ قائم کیا تھا، میں چونکہ دورانِ طالب علمی اسلامی جمعیت طلبہ کا ایک فعال کارکن تھا اس لیے ان حضرات نے مجھے دعوت دی۔ کہ آؤ اور ہمارے ساتھ کام کرو۔ میں نے اُن سے عرض کر دیا تھا کہ میرا یہ کام نہیں ہے۔ میری ترجیحات (PRIORTIES) کچھ اور ہیں میں کسی اور کام میں اپنی توانائیاں صرف کرنا چاہتا ہوں ـــ اُس کے بعد بھٹو صاحب کا دور آیا اور اس میں بھی تحریک اٹھی لیکن میں نے اُس میں قطعاً کوئی حصہ نہیں لیا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ اس زمانے میں کسی شخص کا "نظام مصطفےٰ" کی تحریک کے متعلق کوئی منفی بات کرنا کس قدر مشکل کام تھا لیکن الحمد للہ کہ میں نے اس وقت بھی یہی کہا تھا کہ یہ نظام مصطفےٰ کی تحریک نہیں ہے ـــ اس کے لیے یہ غلط نام تجویز کر دیا گیا ہے۔ یہ اصلاً "بحالی جمہوریت" کی تحریک ہے۔ اس میں SECULAR لوگ بھی شامل ہیں، اس میں LEFTIST بھی شامل ہیں اور کمیونسٹ بھی شامل ہیں۔ LIBRAL مسلمان بھی ہیں جو جلسہ عام میں کھڑے ہو کر برملا کہتے ہیں کہ "نماز میں بھی نہیں پڑھتا"۔ اور دوسری طرف اس میں علمائے دین بھی ہیں۔ گویا یہ ایک مستبد حکمران سے نجات حاصل کرنے کی ایک کوشش ہے۔ اس کو ایک دینی تحریک قرار دینا اور نظام مصطفےٰ کی تحریک قرار دے کر لوگوں کو Exploit کرنا میرے نزدیک درست نہیں ہے۔ اگر بحالی جمہوریت کے لیے کام کرنا مقصود ہوتا تو میں اُس وقت ہی میدان میں آجاتا لیکن میرے پیش نظر دوسرا کام کرنا مقدم تھا جس کا ذکر

میں بعد میں کروں گا کہ وہ کام کیا ہے۔!

اسی طرح کافی عرصے سے میری رائے یہی ہے کہ مارشل لاء کا تسلسل ملک و ملت کے لیے انتہائی مہلک ہے۔ اور اس کے بڑے دور رس مضر اثرات پیدا ہو سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود "مارشل لاء ہٹاؤ" کی تحریک اور "جمہوریت بحال کرو" کی تحریک ارتھانا نہ میرے پیش نظر ہے نہ میرے اُس مزاج سے مناسبت رکھنے والی چیز ہے جو مطالعۂ قرآن و سنت سے بنا ہے۔ لہٰذا اگر آپ میرے موقف کا خلاصہ سمجھنا چاہیں تو وہ یوں ہوگا کہ

> اگرچہ میرے کچھ سماجی نظریات بھی ہیں، میرے کچھ معاشی نظریات بھی ہیں، میرے کچھ سیاسی نظریات بھی ہیں یا زیادہ صحیح تر الفاظ میں میرا قرآنِ حکیم اور سنتِ نبوی کا جو مطالعہ ہے اس کی بنیاد پر میرا ایک نظریہ بنا ہے کہ اسلام کی سماجی تعلیمات کیا ہیں، اسلام میں معاشرے کو کن بنیادوں پر استوار ہونا چاہیئے، اور اسلام کی معاشی اور سیاسی تعلیمات کیا ہیں اور ہماری حکومت کے ڈھانچے کو کن بنیادوں پر استوار ہونا چاہیئے تاہم میں ان میں سے کسی ISSUE کو موضوع بنا کر اپنی توانائیوں کو، قوتوں کو اور اپنے اوقات کو اس ہدف پر مرتکز کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں بلکہ میرا ایک اور نقطۂ نظر ہے جس پر میں سولہ سترہ سال سے کام کر رہا ہوں اب میں عرض کروں گا کہ میرا وہ نقطۂ نظر کیا ہے ــــ ؟

ترجیحات کا معاملہ

ہر شخص کی کچھ ترجیحات ہوتی ہیں اور جس شخص کی نہیں ہیں۔ یہ بات جان لیجئے کہ وہ زندگی میں کوئی مفید کام نہیں کر سکتا۔ وہ شخص حالات کے رحم و کرم پر ہوتا ہے کہ کبھی اُدھر اور کبھی اِدھر۔ ایک زوردار لہر آئے گی وہ اس کو کسی تحریک میں بہا کر لے جائے گی، کوئی دوسری زبردست لہر آئے گی وہ اُسے کسی دوسری سمت میں لے جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ ہی چہرے بدل بدل کر کبھی مسلم لیگ میں ہوتے تھے، کبھی ری پبلکن پارٹی میں کوئی اور دور آیا تو یہی لوگ یا اُن کے قریبی ساتھی یا عزیز کہیں کنونشن لیگ میں آ گئے ــ اُس کے بعد زمانہ بدلا تو یہی لوگ تھے جن کے ہاتھوں میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ تھے۔ اب انہیں میں سے ایک خاصی تعداد ہے جو مجلس شوریٰ میں بھی ہمیں بیٹھی نظر آ رہی ہے۔ ان حضرات

کی بھی ترجیحات ہیں اور وہ ہیں "اپنے مفادات اور ان کا تحفظ" ——
"اُن کی جو ہڑاہٹ اور اُس کا بقاء" اور واقعہ یہ ہے کہ اس نظام میں اُن کے لیے زندہ رہنا مشکل ہے اگر ان کے تعلقات اور ان کا تعاون حکومتِ وقت کے ساتھ نہ ہو اور بیورو کریسی اور اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ اُن کے مراسم اور میل جول نہ ہوں انہیں زندہ رہنا ہے اور ان کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ زندگی میں وہ جتنے بھی آگے بڑھ سکیں اور جو زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کی جا سکیں وہ حاصل کی جائیں چاہے حکومتِ وقت کوئی بھی ہو کیسی بانند۔ یہ ہیں ان حضرات کی ترجیحات یعنی PRIORTIES ۔

میری ترجیحات

میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میری ترجیحات بالکل معین ہیں الحمدللہ اس میں اولین ترین ترجیح 'دین' ہے۔ میری تمام توانائیاں اور صلاحیتیں اُس اللہ کے لیے اور اُس کے دین کے لیے وقف ہیں جس نے مجھے ان سے نوازا ہے: بفحوائے آیتِ قرآنی: اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o

"بے شک میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اُس اللہ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے"۔

میں نے اپنی شعوری زندگی کے آغاز کے مرحلے پر اس کا فیصلہ کیا تھا۔ میرے اس دور کی تحریریں بھی اس کی گواہ ہیں کہ یہ ایک شعوری فیصلہ تھا۔ Profession (ذریعۂ معاش) ہوگا تو وہ ثانوی درجے میں ہوگا۔ مقدّم ہر حال میں اللہ اور اُس کا دین رہے گا۔ زمانۂ طالب علمی میں میرا تعلیمی ریکارڈ بہت سے طالب علموں کے لیے قابلِ رشک ہو سکتا ہے۔ میرے پاس ایک وقت میں دو، دو، وظیفے بھی رہے ہیں۔ ایک وظیفہ F.Sc کی بنیاد پر تھا اور دوسرا میڈیکل کالج کے فرسٹ ایئر میں فرسٹ آنے کی بنیاد پر۔ لیکن جب میں نے اپنی PRIORTIES معین کیں تو پھر اس کے لیے بھاگ دوڑ اوّلین درجے میں تھی اور میڈیکل کی تعلیم ثانوی حیثیت میں تھی۔ ظاہر ہے اس میں تعلیم کا معاملہ وہ نہ رہا اور اس میں کافی کمی رہ گئی لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے تعلیمی دور میں FAILURE کے داغ سے بچائے رکھا۔ زمانۂ طالب علمی کے بعد جب PROFESSION میں آیا ہوں تو ایک دن کے لیے بھی یہ بات نہیں ہوئی کہ پیشہ مقدّم رہا ہو اور دین اس کے تابع

ہو الحمد للہ اور یہ کہ اپنے Profession کی مصروفیات کے بعد جو وقت بچے گا وہ دین کے لیے لگ جائے گا۔ بلکہ میرا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اصل فرض دین کا ہے۔ باقی تمام مصروفیات اس کے تابع ہیں۔ زندگی میں جسم اور جان کا تعلق قائم رکھنے کے لیے جو کچھ ناگزیر ہے اس سے زائد کی فکر نہیں ہونا چاہیے یہ نہ ہو کہ کسی پیشے کے کھونٹے سے بندھے رہنے کو اولیت حاصل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ دین کی خدمت بھی ہو جائے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اصل کھونٹا تو اللہ کا کھونٹا ہے اور اس کے رسول کا کھونٹا ہے جس سے بندھے رہنا فرض ہے، باقی ہر شے جو بھی ہے ثانوی درجے میں ہے۔ تو حضرات یہ ہیں میری ترجیحات Priorities۔

اہالیان پاکستان کی خوش بختی

اس ضمن میں ایک بات میں پہلے بھی آپ حضرات سے عرض کر چکا ہوں اور آج پھر گوش گذار کر رہا ہوں کہ مجھے بہت خوش بختی اور خوش قسمتی کا احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا فرما دیئے کہ مجھے اس سرزمین میں پہنچا دیا[1] جس کا نام پاکستان ہے۔ یہ وہ سرزمین ہے جس کے لیے اگر بنیاد ہے تو دین۔ اس کے قائم رہنے کا جواز اگر ہے تو دین کی بنیاد پر۔ اگر اس کے استحکام کا کوئی امکان ہے تو دین کی بنیاد پر۔ لہٰذا اگر دین کے لیے میں اپنی صلاحیتیں صرف کرتا ہوں تو مجھے پورا اطمینان ہوتا ہے کہ میں اپنے ملک کا حق بھی ادا کر رہا ہوں۔ میں اپنی قوم کے حقوق بھی ادا کر رہا ہوں اس لیے ہماری قوم و ملت کی بنیاد بھی اسلام پر ہے

؎ اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمی!

میں پاکستان کو وطن سمجھ کر اور وطن پرستی کے تصور کے تحت محنت اور سعی نہیں کر رہا بلکہ اس کو اسلام کا قلعہ سمجھ کر اور اس وجہ سے کہ اس سرزمین سے ہمیں بہت سی امیدیں وابستہ ہیں کام کر رہا ہوں۔ اس وطن کا تحفظ مجھے اسلئے عزیز ہے کہ یہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا گہوارہ ہے

---

[1] اگرچہ میری پیدائش مشرقی پنجاب کی ہے اور جس آگ اور خون کا دریا عبور کر کے ۱۰۰ میل کا فاصلہ پیدل طے کر کے پاکستان پہنچا تھا اسکو وہی لوگ جان سکیں گے جنکو ان حالات سے سابقہ پیش آیا ہو

؎ اے آندھیو! سنبھل کے چلو اس دیار میں
اُمید کے چراغ جلاتے ہوئے ہیں ہم

یہ ملک اس نعرہ پر لیا گیا تھا کہ یہاں اسلام کا نفاذ کرنا ہے۔ اور واقعہ ہے کہ اس ملک کے لیے اسلام کے سوا اور کوئی بنیاد موجود ہی نہیں ہے۔ اس کا استحکام تو دُور کی بات ہے، اس کے بقا کا کوئی امکان نہیں ہے بغیر اسلام کے ۔۔۔ یہ تمام باتیں میں متعدد بار تفصیل کے ساتھ آپ حضرات کے سامنے بیان کر چکا ہوں ۔۔۔ میں مطمئن ہوں کہ اگر میں دین کے لئے کام کر رہا ہوں تو اسی ذیل میں ملک و وطن اور قوم و ملت کے جو فرائض مجھ پر عائد ہوتے ہیں وہ بھی ادا ہو رہے ہیں۔ لہٰذا اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کے اس ایک کام یعنی خدمت دین پر مجتمع ہو جانے کو میں اپنی بہت بڑی خوش قسمتی سمجھتا ہوں۔

اصل جڑ

پھر یہ بات بھی سمجھئے کہ اس ضمن میں بھی میری ایک معین اور پختہ رائے ہے اور وہ یہ ہے کہ ہماری اصل کمی جو ہے وہ ایمان کی کمی ہے آپ کے علم میں ہے کہ مجھے اب اس شہر لاہور میں کام کرتے ہوئے سولہ برس ہو چکے ہیں میں دین کے لیے یہ درست نہیں سمجھتا کہ ہر چلنے والی تحریک کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ چار آدمی مل کر اگر کوئی بڑا سا نعرہ لگا دیں اور لوگوں کو اپنے پیچھے لگا لیں تو میں بھی اُن کے پیچھے لگ جاؤں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ میری زندگی کا یہ عرصہ ایک کھلی کتاب کی طرح آپ کے سامنے ہے۔ بہت سی تحریکیں اٹھی ہیں اور ایسے دور آئے ہیں کہ انسان میں اگر کوئی لیڈری کی سوئی ہوئی خواہش موجود ہو تو پوری کرے اور بہتی گنگا میں ہاتھ دھونا چاہے تو دھوئے ۔۔۔ دنیوی مفادات اگر مطلوب ہوتے تو اس کے امکانات اور مواقع بہت آئے لیکن میرا معین لائحہ عمل ہے اور وہ یہ ہے کہ اصل کمی ایمان کی کمی ہے۔ جب تک Revival of Faith یعنی تجدید ایمان نہیں ہو گی اسلام کے لیے کوئی مفید کام یہاں نہیں ہو سکتا۔ کوئی پائیدار نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ تحریکوں، جلوسوں اور ہنگاموں سے اسلام کی تنفیذ ممکن نہیں ہے اسلام کا نعرہ لگا کر اور الیکشن کے میدان میں اتر کر اگر کسی کو اسلام کی خدمت کرنے کا خیال ہے تو میرے نزدیک وہ "جنت الحمقاء" (Fools Paradise) میں بس رہا ہے۔ اس راستے سے کبھی یہاں اسلام کا حقیقی اور مستحکم کام نہیں ہو سکے گا۔ اسلام کے کام کے لئے ایک ہی طریق کار ہے اور وہ یہ کہ "ایمان کا منبع اور سرچشمہ" وہ اصل قرآن مجید ہے لہٰذا اس کی طرف لپکو اس سے

تمسک کرو۔ اس سے اعتصام کرو قوم کو قرآن کی طرف متوجہ کرو۔ ان کو قرآن سے متعارف کرو تاکہ ان کے دلوں میں قرآن کی عظمت قائم ہو۔ لوگ اس کو سمجھنے کے لیے آمادہ ہو جائیں جس کا نتیجہ ہوگا ایمان کی تجدید اور ایمان کو تقویت حاصل ہوگی۔ اور اسی قرآن کے ذریعے قلوب واذہان میں ایمان راسخ ہوگا۔ اور سیرت و کردار اور اخلاق و اعمال میں انقلابی تبدیلی رونما ہوگی۔

؎ چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جان چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

لہٰذا جب یہ جڑ مضبوط ہو جائے گی تو اب جو برگ و بر آئیں گے وہ پائیدار ہوں گے۔

.... مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ط

اگر کوئی شخص اپنے اخلاصِ نیت کے ساتھ یہ سمجھتا ہے کہ اس قسم کے کام یعنی جلوس اور ہنگاموں سے اسلام کا نفاذ ممکن ہے تو اس کے اپنے خلوص کا معاملہ ہے اور میری دعائیں بھی اس کے ساتھ ہوں گی لیکن میں علیٰ وجہ البصیرت جانتا ہوں کہ طریقہ صرف یہی ایک ہے۔ یہی ہے وہ نقطۂ نظر جس کو میں نے ۱۹۶۸ء میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ والے مضمون میں پیش کیا تھا۔ آج چونکہ تقریر کے شروع میں بھی بات ہو چکی ہے اس لیے میں آپ کو بتا دوں جب ڈاکٹر بشیر حسن صاحب اور حنیف رامے صاحب میرے پاس آئے تھے کہ ہمارے ساتھ کام کرو تو میں نے اپنا یہ مضمون "اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام" ان کو تھما دیا تھا اور ان سے عرض کیا تھا کہ جو حقیر سی قوتیں اور صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کی ہیں وہ صرف اس کام کے لیے وقف ہیں اور میرے پیشِ نظر جو کام کیے وہ اس مضمون میں میں نے بیان کر دیا ہے۔

—— اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ جمہوریت ہونی چاہیئے لیکن میں اس کو اپنی توانائیوں کا اصل ہدف نہیں بنا سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ معاشی ناانصافیاں دور ہونی چاہئیں لیکن میں صرف معاشی انصاف کی بحالی کو ایک تحریک کی شکل میں لے کر چلنے والوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اس طرح سماجی معاملات میں بھی میرے نظریات ہیں اور میں اپنی جگہ پر ان پر پوری طرح کاربند ہوں۔

آپ کے علم میں ہے کہ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں کسی ایسے نکاح میں شریک نہیں ہوں گا جو مسجد میں نہیں ہوگا۔ الحمد للہ میں دس برس سے زائد سے اس پہ قائم ہوں اور اس کی وجہ سے ایک تحریک چل نکلی ہے اور نکاح مساجد میں ہو رہے ہیں۔ میرا اپنے اُن قریب ترین دوستوں کے ہاں آنا جانا نہیں ہے جن کے ہاں پردہ نہیں ہے اس لیے کہ اگر اُن کا

فہم قرآن

اور

خصوصاً قرآن کے منضبط اور مربوط مطالعے کے ضمن میں

ڈاکٹر اسرار احمد

کی نشری (ریڈیو) تقاریر پر مبنی ایک اہم تصنیف

قرآن مجید کی سورتوں کا اجمالی تجزیہ

سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الکہف

ضرور مطالعہ کیجئے

(کتاب کا دوسرا ایڈیشن حال ہی میں چھپ کر آیا ہے)

اعلیٰ سفید کاغذ، عمدہ کتابت اور دیدہ زیب طباعت

ھدیہ: ۸ روپے

سماجی ڈھانچہ کچھ اور ہے اور میرا کچھ اور تو ظاہر ہے کہ معاملہ اس نہج کا نہیں ہو سکتا جس نہج کا یکرنگی اور یکسانی رکھنے والے حضرات کے مابین معاملہ ہوتا ہے۔ اپنے نظریات پر جو میں نے قرآن و سنت سے اخذ کئے ہیں میں الحمد للہ ثم الحمد للہ قائم ہوں۔ میں نے اپنی بچیوں کو سکول تک میں نہیں بھیجا کالج تو بہت دور کی بات ہے اُن کا پڑھائی کا انتظام میں نے اپنے گھر میں کیا ہے ہمارے معاشرے میں بہت سے امور اصلاح طلب ہیں۔ لیکن یہ کہ ان میں کسی چیز کو بھی کوئی تحریک بنا کر کھڑا کر دینا میں صحیح نہیں سمجھتا میرا ثبت لائحہ عمل یہ ہے کہ میری PRIORTY نمبر ایک ہے دین اور احیائے اسلام' اور میں عرض کر چکا ہوں کہ اس ضمن میں میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ اس کام کے ذریعے میرے ملک و ملت کے فرائض بھی ادا ہو رہے ہیں۔ سولہ برس ہو گئے ہیں میں نے اپنی زندگی کا بہترین دور اس میں لگایا اور کھپا دیا ہے، اور یہ جو کچھ بھی ہے علیٰ وجہ البصیرت ہے، گویا: بفحوائے الفاظ قرآنی: قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ط

"اے نبی! کہہ دیجئے کہ یہ ہے میری راہ۔ میں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں اپنی بصیرت کے مطابق اور وہ بھی جس نے میری پیروی کی۔"

پس جو کام میں کر رہا ہوں لوگوں کو اُس کی طرف بلا رہا ہوں۔ اور جو میرے ساتھی ہیں وہ بھی اس کام میں میرے ممد و معاون ہیں اور اس کام کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ یہ ہے میرا اصل لائحہ عمل۔ اس میں میری صلاحیتیں لگ رہی ہیں، جو حضرات یہاں موجود ہیں وہ اِن چیزوں سے بخوبی واقف ہیں۔

دین کا کام دو مختلف ماحول میں

البتہ یہ کام جو میں کر رہا ہوں یا کرنا چاہتا ہوں۔ یہ کسی خلاء میں نہیں کر رہا۔ یہ کام ظاہر ہے کسی ماحول میں ہوتا ہے اور اس ماحول میں کوئی نظام پہلے سے قائم ہوتا ہے۔ اس نظام کے ساتھ انسان کا رویہ کیا ہو گا! اس میں ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ وہ کون سی ہدایات ہیں جو اس ضمن میں ہمیں قرآنِ حکیم سے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ملتی ہیں۔

غیر مسلم ماحول میں کام کا نہج

اگر کوئی شخص یہ کام کر رہا ہو خالص غیر اسلامی ماحول اور غیر مسلم ملک میں تو وہاں طریق کار خالص انقلابی ہوگا۔ انقلابی طریق کار سے میری مراد یہ ہے اُس نظام سے کسی درجے میں کوئی تعاون نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ وہ نظام کفر پر قائم ہے اور کفر ہی اس کی جڑ اور بنیاد ہے اور کفار ہی اس نظام کے چلانے والے ہیں۔ کافروں کی اکثریت وہاں آباد ہے تو ظاہر ہے کہ اس ماحول کے ساتھ مسلمان کے تعاون کا کوئی سوال نہیں ہے۔ وہاں تو تصادم ہی تصادم ہوگا۔ تصادم سے مراد یہی نہیں ہے کہ جنگ ہی ہو، بارہا میں نے سیرت کی تقاریر میں عرض کیا ہے کہ تصادم کی ایک شکل وہ بھی ہے جس کو Passive Resistance کہتے ہیں۔ اپنے نقطۂ نظر کو عام کرنے کے لئے آپ ہمہ تن لگے ہوئے ہیں ماحول کی طرف سے جو تشدد ہو رہا ہے اسے آپ جھیل بھی رہے ہیں اور برداشت بھی کر رہے ہیں اس غلط ماحول کے ساتھ کوئی تعاون آپ کسی درجے میں بھی نہیں کر رہے ہیں اور کسی بھی تشدد یا دباؤ سے آپ اپنے موقف سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹتے تو یہ بھی تصادم کی ایک شکل ہے چاہے ہاتھ میں تلوار نہ ہو اور جنگ نہ ہو رہی ہو ــ اُس ماحول میں اب آپ اپنے ہم خیال اور اپنے نظریہ کے حامی لوگوں کو جمع کریں گے ایک منظم طاقت پیدا کریں گے اور وقت آنے پر اور قوت کے فراہم ہو جانے پر مسلح تصادم Armed Conflict کا مرحلہ بھی آئے گا۔ یہ ہوگا ایک خالص انقلابی طریق کار جو اس ماحول میں ہوگا جہاں پر اکثریت بھی کافروں کی ہو کافر ہی حکمران بھی ہوں اور پورا کا پورا نظام بھی کفر پر مبنی ہو۔

مسلمانوں کے ملک اور ماحول میں کام کا نہج

لیکن اگر صورت مختلف ہو اور ملک مسلمانوں کا ہو حکمران مسلمان ہوں ــ ایسی صورت میں ہمارے طرزِ عمل میں زمین اور آسمان کا فرق ہو جانا چاہیئے ہمارے پاس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح تعلیمات موجود ہیں کہ اگر حاکم مسلمان ہو اور وہ کفرِ بواح کا حکم نہ دے تو اُس کے خلاف بغاوت نہیں ہو سکتی، آپ حکمران پر اور اُس نظام پر تنقید کر سکتے ہیں مشورے دے سکتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ آپ کو "قولِ حق عند سلطانِ جائر"

---

* (افضل الجہاد ان قالت کلمۃ حق عند سلطان جائر : افضل ترین جہاد یہ ہے کہ تو ایک جابر حکمران کے سامنے حق بات کہے)

کی توفیق دے گا تو یہ افضل الجہاد ہو گا لیکن اس حکومت کے خلاف بغاوت، تصادم Confrontation کی پالیسی اور Armed Conflict ہمارے دین کی تعلیم نہیں ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ یہ چیزیں ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ وہ اس لئے کہ اگر ہمارے ہاں دینی کام ہوتا ہے تو وہ "نور و بشر" کے جھگڑے پر ہوتا ہے جو نہ چُک سکا ہے اور نہ چکے گا، ربع بدین جائز ہے یا نہیں، آمین بالجہر کہنا درست ہے یا نہیں خوب دھواں دھار تقاریر ہوتی ہیں تو اس پر یا اگر کوئی کام ہوتا ہے تو وہ خالص سیاسی حزبِ اختلاف Opposition Party کے طرز پر ہوتا ہے اور ہر قائم حکومت کی ٹانگ گھسیٹنی مقصود ہوتی ہے یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اس میں اعتدال کی راہ اور معتدل طرزِ عمل ہمارے سامنے نہیں رکھا جاتا۔

حاصل بحث

مختصراً یہ کہ اگر کافر حکومت ہے اور نظام کا فرانہ چل رہا ہے تو اس میں وہ طرزِ عمل اختیار کرنا پڑے گا یعنی ARMED CONFLICT تک نوبت پہنچ جائے تو یہ اس کی انتہا ہو گی لیکن اگر حکومتِ وقت مسلمان ہو اور اکثریت بھی مسلمانوں کی ہو چاہے حکمران فاسق و فاجر ہو لیکن اگر وہ مسلمان ہے تو قانونی طور پر معاملہ مختلف ہو گا ـــ اگر کوئی شخص مسلمان ہے چاہے وہ نماز نہ پڑھتا ہو اور اس کا کردار بھی مومنانہ نہ ہو لیکن ذرا مجھے بتایئے کہ آپ اپنی بیٹی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کتنی کچھ چھان پھٹک کرتے ہیں کہ اس کی کمائی جائز ہے یا اس میں حرام بھی شامل ہے؟ ـ آپ اپنی بیٹی کا ہاتھ تو اس کے ہاتھ تھما دیتے ہیں صرف اس بنیاد پر کہ وہ مسلمان ہے چاہے فاسق ہے اور فاجر ہے ـــ تو معلوم ہوا کہ قانونی طور پر مسلمان ہونے سے ایک بہت بڑا فرق واقع ہو گیا۔ اگر کوئی قانونی طور پر مسلمان ہو گیا تو گویا اس کی جان اور مال بالکل محفوظ ہو گیا ـــ حضرت اُسامہ رضؓ سے Explanation Call کر لی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی تفصیل یہ ہے ایک غزوہ کے موقع پر حضرت اسامہؓ نے ایک کافر کو گرا لیا۔ آپؓ اس کو قتل کرنا چاہتے تھے کہ اُس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا۔ لیکن حضرت اسامہ رضؓ نے صرف اس خیال سے کہ اُس نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا ہے اُس کو قتل کر دیا تھا جس کی خبر بعد میں حضورؐ کو ہو گئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے اسامہ اللہ کو قیامت کے دن کیا جواب دو گے جب کلمہ تمہارے خلاف استغاثہ لے کر آئے گا! تو ذہن میں

رکھیے کہ قانونی طور پر مسلمان ہونے سے زمین و آسمان کا فرق واقع ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام مناسب نہیں تھا اگرچہ مبنی بر خلوص تھا۔ اس لیے کہ جناب یزید کافر نہیں تھے۔ کون ہے وہ شخص جو یہ کہہ سکے کہ یزید کافر تھے، جناب یزید نے صحابۂ کرام رضؓ کی گود میں پرورش پائی تھی اُن کی امامت میں بڑے بڑے صحابہ نے نمازیں ادا کی تھیں، حضرت حسنین رضؓ یعنی حضرت حسن رضؓ اور حضرت حسین رضؓ نے اُن کی سپہ سالاری میں جنگ لڑی ہے اور میزبان رسول حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ نے خواہش کرکے اس جنگ میں حصہ لیا تھا جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوئی تھی، اس لئے کہ حضور اکرم ؐ نے پیشین گوئی کی تھی کہ وہ لشکر جو قیصر روم کے دارالحکومت پر سب سے پہلے حملہ آور ہوگا اُن سب کی مغفرت ہو چکی ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ اس لشکر کے سپہ سالار کون تھے؟ وہی جناب یزید ابن معاویہ رضؓ تھے جن کے نام کو لوگوں نے گالی بنا دیا ہے۔

ذرا سوچیئے تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ حضرت حسین رضؓ کے ساتھ کیوں شامل نہیں تھے جب وہ کوفہ کے لیے مکہ مکرمہ سے نکلے تھے۔ کیا وہ قرآن اور حدیث رسول سے واقف نہیں تھے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ وہ ہیں جن کو ہم حبر الاُمۃ (امت کا سب سے بڑا عالم) کہتے ہیں اور جن کے بارے میں نبی اکرم ؐ نے دعا کی تھی کہ اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (اے اللہ! ان کو دین میں تفقہ عطا فرما......) آپ کا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا رد کر دی تھی، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کی تو صرف ایک ہی دعا ہے جس کو قبول نہیں فرمایا اور وہ دعا وہ ہے جس کے الفاظ ہیں لَوَدِدْتُ اَنْ اُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلَ ۔ (میری بڑی خواہش اور تمنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جنگ کروں اور شہید ہو جاؤں پھر مجھے زندہ کیا جائے پھر شہید کیا جائے پھر زندہ کیا جائے اور پھر شہید کر دیا جائے)۔ یہ دعا اس لیے قبول نہیں ہو سکتی تھی کہ ایک تو آپ خاتم الرسل ہیں یعنی آپ ؐ کے بعد کوئی رسول ؑ نہیں آئے گا اور دوسرے رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا اصول ہے کہ وہ مغلوب نہیں ہوں گے، اُن کو لازماً غلبہ حاصل ہوگا * اور یادہ

---

* کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (اللہ اس کا فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ اور اس کے رسول لازماً غالب ہو کر رہیں گے)

قوم جس کی طرف رسول کو بھیجا جائے وہ ہلاک کر دی جائے گی ۔ باقی یہ ناممکن ہے کہ حضور اکرمؐ نے کوئی دعا کی ہو اور وہ بارگاہِ خداوندی سے رد کر دی گئی ہو ۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جن سے ہماری احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ مروی ہے، وہ بھی حضرت حسینؓ کے ساتھ نہ نکلے ۔ غور کیجئے کہ یہ دونوں حضرات یعنی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کیا معاذ اللہ بزدلی کی وجہ سے حضرت حسینؓ کے ساتھ نہ نکلے یہ وہ بات ہے جو بدقسمتی سے ہمارے ذہنوں میں بٹھا دی گئی ہے، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ۔ ! یہ سب کچھ صرف اس اختلاف کی وجہ سے تھا کہ چونکہ جناب یزید کسی کفر کا حکم نہیں دے رہے تھے ۔ اور حضور اکرمؐ کا یہ قول موجود تھا کہ کسی مسلمان حکمران کے خلاف بغاوت اور خروج اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ کفر کا حکم نہ دے ۔ اسی لیے ان دونوں حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت حسینؓ کا ساتھ نہ دیا ۔ ان دونوں حضراتؓ نے جناب یزید کی ولی عہدی کی بیعت نہیں کی، وہ اس وجہ سے کہ ولی عہدی کی بیعت کو وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے ۔ لیکن جب ان کی حکومت قائم ہو گئی ۔ اور بیعت خلافت ہو گئی تو اب ان کے خلاف خروج کے لیے جو بنیاد ہونی چاہیئے وہ موجود نہیں تھی اسی لیے خروج اور بغاوت نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ ان دونوں حضرات نے بھی بیعت خلافت کر لی تھی یہ تھا اصل اختلاف جس کے اوپر نہ جانے کیا کیا نمک مرچ لگا کر ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بدظن کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ میرے نزدیک حضرت حسینؓ کا اقدام خالص خلوص پر مبنی تھا اور جذبہ ایمانی کے تحت تھا میں اس سے پہلے حضرت ابوذر غفاریؓ کی بات کے بارے میں کہہ چکا ہوں کہ میرے نزدیک اُن کا قرآن کی اخلاقی اور روحانی تعلیمات کو قانونی تعلیمات سے غلط ملط (Confuse) کرنا درست نہیں تھا ۔ حالانکہ اُن کے زُہد کا عالم یہ تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ كَانَ يَسُرُّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى زُهْدِ عِيسَى فَلْيَنْظُرْ إِلَى صَاحِبِي أَبِي ذَرٍّ ۔

"اگر کسی کو خواہش ہو کہ وہ حضرت عیسیٰ کا زُہد اپنی آنکھوں سے دیکھے تو میرے اس دوست ابوذرؓ کو دیکھ لے"

لیکن خطا ہو سکتی ہے اور یہ خطائے اجتہادی ہوتی ہے ۔ خطائے اجتہادی کو ہم گناہ نہیں کہتے بلکہ اس پر ثواب ملتا ہے ۔ لہٰذا ہمارا ایمان ہے یقیناً حضرت حسینؓ نے خلوص اور اخلاص کے ساتھ اسلام کے لیے جان دے دی ہے اور انہوں نے شہادت کا تاج اپنے سر پر

پہنا ہے ۔ یہ چند مثالیں دے کر میں پھر آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ جہاں مسلمان حاکم ہو اور وہ کفر کا حکم نہ دے آپ اس کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتے ۔ بلکہ اس معاملے جو طرزِ عمل ہوگا اب میں وہ آپ حضرات کے سامنے رکھتا ہوں ۔

مسلمان حکمرانوں کے ساتھ صحیح طرزِ عمل

خلافتِ راشدہ ہمارا آئیڈیل (Ideal) نظام حکومت تھا جو ہر لحاظ سے کامل تھا ۔ اس کے بعد خلافتِ راشدہ کا دور ختم ہوا اور مسلمان حکمرانوں کا دور آیا اور اس دور کو ہم خلافتِ راشدہ کا دور نہیں کہتے ۔۔ اصولاً اس دور میں بعض لحاظ سے کمی آگئی ہم معاذ اللہ یہ بھی نہیں کہتے کہ اسلام ختم ہو گیا تھا۔ اس کو میں عام طور پر تمثیلاً یوں بیان کرتا ہوں کہ چھ منزلہ عمارت میں سے ایک منزل گر گئی) آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس وقت کے حکمران آج کے بڑے بڑے علماء اور صوفیاء سے بڑھ کر مومن تھے ۔ عبدالملک بن مروان اس وقت کے بہت بڑے محدث اور بہت بڑے فقیہہ تھے ۔ بنو امیہ کا دور خلافتِ راشدہ کے بعد ہماری تاریخ کا بہترین دور تھا لیکن آہستہ آہستہ ہماری حالت بد سے بدتر ہوگئی یہاں تک کہ —— (Western Imperialism) مغربی استعمار کا سیلاب آگیا اور بالآخر وہ دور آیا کہ ہماری اسلام کی عمارت بالکل ڈھے گئی ۔۔ اور اب معاملہ وہ آیا کہ ہم پر "کافر" حکمران ہو گئے اور جیسا کہ میں ابتداء میں عرض کر چکا ہوں کہ جب کافر حکمران ہوں تو ہمیں CONFRONTATION یعنی مسلح تصادم بھی اختیار کرنا پڑے گا، یہی وجہ ہے اس دور میں حضرت احمد شہید بریلوی جہاد اور قتال کا غلغلہ بلند کر رہے ہیں اور تلوار اور قرآن کریم کو ہاتھ میں لے کر جہاد و قتال کر رہے ہیں یہی وہ دور ہے کہ جس میں لیبیا میں سنوسی تحریک اٹھ رہی ہے ۔ یہی وہ دور ہے جس میں مہدی سوڈانی تلوار ہاتھ میں لیکر اٹھ رہے ہیں ۔۔ گویا ہمارے اس گلشنِ اسلام میں ہر طرح کے پھول کھلے ہوتے ہیں اور ہمارے لیے بہت سی اعلیٰ اور عمدہ مثالیں موجود ہیں ۔۔

موجودہ دور

لیکن اب وہ دور آگیا کہ حکمران مسلمان ہیں اور اکثریت بھی مسلمانوں کی ہے ۔ یہاں سے میری گفتگو اب قیام پاکستان کے بعد کے مرحلے کے بارے میں شروع ہوگی اگرچہ آج کے دور کے مسلم ممالک کے مسلمان حکمران اکثر و بیشتر نام کے مسلمان ہیں ۔ ان کا کردار اور سیرت مسلمانوں کی سی نہیں ، الا ماشاء اللہ ۔ شاہ فیصل شہید کی عظمت اور ان کا کردار بھی ہمارے سامنے ہے لیکن یہ معاملہ آٹے میں نمک کے برابر ہے ۔ اکثریت کا حال وہی ہے کہ

نام کے مسلمان ہیں، فاسق و فاجر ہیں لیکن کفر کا حکم نہیں دیتے" گویا اب صورت بدل گئی ہے" اجائے اسلام کے طریق کار کے لیے حکم بھی بدل جائے گا یعنی مسلح تصادم (Armed Conflict) کی روش اختیار نہیں کی جائے گی ۔ تصادم کی ایک شکل اور بھی ہے جسکو Constitutional Confrontation یعنی حکمران وقت کو دستوری طریق پر ہٹانے کی مہمات کہتے ہیں اس کے لیے دوسرا نام ہے سیاست بازی "تم لوگ حکومت چلانے کے اہل نہیں ہو۔ ہم حکومت چلائیں گے۔ ہم زیادہ صالح لوگ ہیں، ہمارے اندر زیادہ صلاحیت ہے اور ہم ہی اس قابل ہیں کہ حکومت کا نظام چلا سکیں" ۔ میرے نزدیک سیاست کا یہ وہ میدان ہے جو قطعاً صحیح نہیں ہے۔ یہ وہ بات ہے جو میں نے ہر دور میں کہی ہے اور آج بھی کہہ رہا ہوں کہ اس الیکشن بازی کی سیاست کو میں درست نہیں سمجھتا اور اس کو ہم نے اپنے لئے شجر ممنوعہ قرار دے رکھا ہے آپ سے میں اس سے قبل بھی عرض کر چکا ہوں کہ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں مجھ پر بھی بہت دباؤ ڈالا گیا "جمعیت علمائے اسلام" کی طرف سے مجھے کھڑے ہونے کے لیے ٹکٹ مل رہا تھا اور اسی کے ساتھ ہی جماعت اسلامی کے ایک ذمہ دار شخص کی طرف سے بھی یہ بات سامنے آئی تھی کہ جماعت اسلامی کی طرف سے تمہاری SUPPORT کا ذمہ میں لیتا ہوں۔ لیکن میں بالآخر مجبور ہو کر پاکستان سے باہر چلا گیا تھا صرف اس لیے کہ ان لوگوں کو سمجھانے کیلئے دلائل کا ذخیرہ میرے پاس ختم ہو چکا تھا۔ میں یہاں سے بھاگ کر مدینہ منورہ پہنچ گیا رمضان مبارک پورا وہیں گذارا اور الیکشن کے Results وہیں مدینہ منورہ میں سنے ہیں ۔ تو یہ بات ذہن میں رکھئے کہ سیاست کے اس میدان کو میں بالکل غلط سمجھتا ہوں ۔ جماعت اسلامی سے میں صرف اس بنیاد پر نکلا ہوں ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہاں الیکشن نہ ہوں۔ عوامی رائے کا اظہار ہونا چاہیئے لیکن اگر خالص اسلام کے لیے کام کرنا مقصود ہو اور اسلامی معاشرے کی تشکیل مطلوب ہو تو اس میں الیکشن کا یہ طریق کار ہرگز مفید نہیں ہے ۔ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ ذہن کو، فکر کو، اخلاق کو، اعمال کو اور نقطۂ نظر کو تبدیل کیا جائے۔ اگر یہ تبدیلی آجائے اور ووٹر کا ذہن اور فکر بدل جائے تو آپ چاہے الیکشن میں نہ بھی آئیں نمائندہ خود بخود بدل جائے گا۔ نمائندہ تو آج ووٹر کے پیچھے ہاتھ جوڑ کر چلنے والا ہے۔ ہمارا تو معاملہ یہ ہے کہ ہم حکمران وقت کے پیچھے ہاتھ جوڑ کر چلنے والے ہیں حکمران وقت کے مزاج کے مطابق ہم اپنا آپ کو ڈھال لیتے ہیں حال کے مجلس شوریٰ کے اجلاسوں میں میں نے دیکھا ہے کہ کس قدر کثیر تعداد میں لوگ نماز ادا کر رہے ہیں، یہ سب وہی لوگ ہیں کہ اگر سابقہ دور ہوتا تو ان لوگوں کی اکثریت نماز کا رخ تک

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (حدیثِ نبویؐ)

(تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن کا علم حاصل کریں اور اس کے علم کو دوسروں تک پہنچائیں)

نشر القرآن کیسٹ سیریز

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی

کے

دروسِ قرآن

اور

خطاباتِ عام

نشر القرآن تنظیمِ اسلامی

کیسٹ سیریز

۳۶۔کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور ۱۴

فون :- ۸۵۲۶۱۱

نہ کرتی۔ یہ یہ سب ماحول کی تبدیلی کی وجہ سے ہے ۔ پھر عرض کر رہا ہوں کہ جہاں تک الیکشن کے ذریعے اسلام کا کام کرنے کا طریقہ ہے، میرے نزدیک وہ درست نہیں ہے۔ میں ہمیشہ سے اس نظریے پر کاربند رہا ہوں اور اب بھی اس پر کاربند ہوں ۔ اس وقت جو میں نے طرزِ عمل اختیار کیا ہے یعنی مجلس شوریٰ میں شمولیت، تو وہ الیکشن کا اور الیکشنی سیاست کا معاملہ نہیں ہے میں اس کے لیے خود امیدوار نہیں تھا۔ میں نے اسی کے لیے کسی شخص سے ووٹ کی بھیک نہیں مانگی ہے اور نہ میں نے یہ کہا ہے کہ میں آپ کا نمائندہ بن کر وہاں جا رہا ہوں۔ میرا موقف اس کے بالکل برعکس ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے!

مسلمان حکومت کے ساتھ ہمارا طرزِ عمل

میرے نزدیک اس طرح کے حالات میں ایک مسلمان کا طرزِ عمل ان دو امور پر منحصر ہونا چاہیئے۔ ایک طرف تو وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ط — اور دوسری طرف وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط

"اور نیکی و تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو اور گناہ اور تعدّی کے کاموں میں عدم تعاون کرو"

لہٰذا معلوم ہوا کہ اشخاص ہوں، حکومت ہو ادارے ہوں ان سب کے غلط کام میں تعاون نہ کیا جائے اور ہر نیک اور بھلے کام میں تعاون کیا جائے۔ یہ میری اپنی بات نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کا صریح حکم ہے ۔ اب میں چاہوں گا کہ حدیثِ رسول ؐ کی روشنی میں بھی آپ اس معاملے کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ حدیث میں نے آپ کو خطاب کے شروع میں سنائی تھی۔ حدیث ہے :

عَنْ اَبِيْ رُقَيَّةَ تَمِيْمِ بْنِ اَوْسٍ الدَّارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ
اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ ،
قُلْنَا: "لِمَنْ ؟"۔ قَالَ : لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ
وَعَامَّتِهِمْ - (رواہ مسلم)

"ابی رقیہ تمیم بن اوس الداری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دین تو بس وفاداری اور خیر خواہی کا نام ہے" ہم نے کہا "کس کی ؟" آپ ؐ نے فرمایا: "اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کے رہنماؤں کی اور عوام سب کی"

نصیحت کا لفظ عربی زبان میں نُصح سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "خالص" ہو جانا، معلوم ہوا کہ خلوص اور اخلاص اس لفظ کی جڑ میں شامل ہیں۔ جب یہ خلوص اور اخلاص اللہ کے لیے اور اس کے رسولؐ کے لیے ہوگا تو اس کے معنی ہوں گے وفاداری کے یعنی اللہ سے جو عہد کیا ہے اس کی وفاداری اور وفاداری اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چاہے زمانے کا رنگ کتنا ہی بدل گیا ہو لیکن اللہ کے رسول کے ساتھ وفاداری کا حق اس طرح ادا ہوگا کہ ڈٹ جاؤ اور جم جاؤ اس طریقے پر جو اللہ کے رسولؐ کا طریقہ ہے، چاہے تم پر قیانوسیت کے فقرے چست کیے جائیں اور استہزاء ہو، تم پر انگلیاں اُٹھیں اور تم معاشرے میں ایک اجنبی بن کر رہ جاؤ جیسا کہ آپؐ نے ایک اور حدیث میں فرمایا:

بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ فَطُوبَىٰ لِلْغُرَبَاءِ

"اسلام کا ابتدا بھی اجنبیت کی حالت میں ہوئی تھی اور بالآخر یہ اجنبی ہو کر رہ جائیگا تو اے لوگو! اس کو خوشخبری، تہنیت اور مبارکباد ہے ان اجنبیوں کے لیے جو اس دور میں بھی اسلام کا ساتھ دیں گے اور اس کے دامن کے ساتھ وابستہ رہیں گے۔"

اللہ کی اس کی کتاب کو اور اس کے رسول کی وفاداری کے بعد الفاظ ہیں کہ وَ لِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ۔ یہاں نصیحت سے مراد ہوگی خیر خواہی — یعنی مسلمانوں کے امام، راہنما، اولی الامر اور جن کے کاندھوں پر مسلمانوں کے امور کی ذمہ داریاں ہیں، ان کے ساتھ خیر خواہی کا تعلق اور آخر میں خیر خواہی بھلائی اور نیکی ہے عامۃ المسلمین کے لیے پورے اسلامی معاشرے کے لیے۔ اب ایک اور حدیث بھی سن لیجئے جو میں نے آغاز میں بھی پڑھی تھی حضور اکرمؐ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضؓ سے یہ فرمایا: "اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا"

(اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظلم کرے خواہ وہ مظلوم ہو)

تو اس پر صحابہ کرامؓ کافی متعجب ہوئے کہ مظلومی کی حالت میں مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن ظالم بھائی کی مدد کیسے کی جاتی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "ظالم کی مدد اس طرح کرو کہ اس کا ہاتھ پکڑ لو اس کو ظلم سے روک دو، یہی اس کی مدد ہے"۔

میں جو آج آپ سے یہ گفتگو کر رہا ہوں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ان سب پر میرے گذشتہ سولہ سال گواہ ہیں کہ ہمیشہ سے میں یہی کہتا آیا ہوں — میں نے بھٹو کے زمانے میں مسجد شہداء میں منبر پر بیٹھ کر

بھی یہی باتیں کہی تھیں ۔۔۔ اس لیے کہ میرا نقطہ نظر اس وقت بھی یہی تھا کہ بھٹو بھی مسلمان تھا اگرچہ فاسق تھا اور فاجر تھا لیکن تھا تو مسلمان ۔۔۔ ہمارے بہت سے اسلام کے نام لیوا حضرات کے اور اس کے کرداروں کوئی بڑا بنیادی فرق نہیں تھا۔ آج بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو شراب بھی پیتے ہیں اور اسلام کا نام بھی لیتے ہیں۔ مجھے تو دکھ اس بات پہ ہے کہ وہ باصلاحیت ثابت نہ ہوا اور تاریخ نے جس قدر بڑا موقع اس کو دیا تھا کہ اگر وہ اسلام کی خدمت کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔ اس ملک میں عوام کی تائید کے ساتھ اتنی واضح اکثریت حاصل کرنے والے بدقسمتی سے صحیح خطوط پہ کام نہ کر سکا یہ الگ بات ہے کہ ملک سے باہر خارجہ پالیسی کے ضمن میں اس نے حکمت عملی سے کام لیا تھا ۔۔۔ میں آج کل چونکہ مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شریک ہو رہا ہوں، میں وہاں بھی یہی بات کہہ کر آیا ہوں کہ ہماری کونسل میں موجودہ خارجہ پالیسی پر بہت ڈونگرے برسائے گئے ہیں حالانکہ یہ خارجہ پالیسی اُس دور میں بھی تھی جس کا آج نام لینے والا کوئی نہیں ہے۔ یہ خارجہ پالیسی تو تسلسل کے ساتھ چلی آرہی ہے۔ ہماری اصل کمی اور کوتاہی خارجی نہیں" اندرونی" ہے، ملک مستحکم نہیں ہے، اصل معاملہ سوچنے کا یہ ہے کہ اندرونی استحکام کس طرح ممکن ہے، ملک کو اندرونی طور پر کس طرح مستحکم کیا جا سکتا ہے یہ ایک الگ بحث ہے اس پر انشاءاللہ کسی اور موقع پر گفتگو ہوگی

بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ مسلمان ہونے کے اعتبار سے چاہے صدر ایوب ہوں بھٹو ہو یا اب صدر جنرل ضیاء الحق ہوں، تمام مساوی ہیں ۔۔۔ اور میرے نزدیک قرآن حکیم اور سنتِ نبویؐ کے مطالعہ سے اِن حضرات کے ساتھ ایک مسلمان کا طرزِ عمل پانچ بنیادوں پہ ہونا چاہیئے ہمیشہ سے میرا طرزِ عمل انہی بنیادوں پہ رہا ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی رہے گا۔

پانچ نکاتی طرزِ عمل

(ا) ایک یہ ہے کہ اُن کو نیک مشورے خیرخواہانہ جذبات کے تحت دیئے جاتے رہیں۔ اگر منبرِ رسول ہے تو وہاں بیٹھ کر ان کو صحیح اور خیرخواہانہ مشورے دیے جائیں ۔۔۔ آپ کے علم میں ہے کہ جب صدر ضیاء الحق صاحب یہاں اس مسجد میں پہلی صف میں بیٹھے ہوئے تھے، اس وقت بھی میں نے ان کو مشورے دیے تھے اور اگر وہ یہاں نہ ہوں تب بھی میں مشورے دیتا ہوں اور یہ سمجھئے کہ یہاں منبرِ رسول پہ بیٹھ کر دیئے جانے والے مشورے یا تنقید اُن تک نہیں پہنچتی (یہ دوسری بات ہے کہ وہ مسخ شدہ پہنچتی ہو۔) لیکن اگر کہیں نیک مشورے کے پردے میں ان کی ٹانگ کھینچنا مقصود

ہو تو میرے نزدیک بہت مہلک طرزِ عمل ہوگا اور نصح اور خیر خواہی کے خلاف ہوگا۔

(ii) دوسرے یہ کہ اُن کے غلط کام پر تنقید کی جائے۔ جو غلط بات ہے اس پر نکیر ہو اور برملا ہو اس میں مداہنت نہ ہو۔ اگر انفرادی طور پر ملنے کا موقع ملے تو وہاں ہو اور اگر کوئی اجتماع ہو تو وہاں پر تنقید کی جائے اور اس میں بھی یہ بات ذہن میں رکھتے کہ یہ تنقید بھی خیر خواہانہ جذبہ کے ساتھ ہو۔ یہ نہ ہو کہ تنقید کی آڑ میں بھی ان کی ٹانگ کھینچنی مقصود ہو اور تنقید کرنے کے سلب و لہجہ میں طنز اور استہزاء کا رنگ نمایاں ہو۔

(iii) تیسرے یہ کہ جو بھلا کام وہ کریں، اس میں اُن کے ساتھ تعاون کیا جائے۔

(iv) چوتھے یہ کہ کسی غلط کام میں اُن کے ساتھ تعاون نہ کیا جائے ــــ اور آخر میں

(v) پانچویں یہ کہ ان کے لیے اپنے رب سے تنہائی میں دعائیں کی جائیں۔

یہ ہیں وہ پانچ[۵] بنیادیں جن پر میرا طرزِ عمل رہا ہے اور ان شاء اللہ رہے گا ــــ میں اب تک اسی شہر لاہور میں مختلف حکومتوں کے تین ادوار گذار چکا ہوں اور یہ چوتھا دور ہے جو چل رہا ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ کب تک چلے گا اس لیے کہ ہمیشہ رہنے والا یہ دور بھی نہیں ہے بڑے بڑے آئے اور اُن کے ساتھ "تماشا دکھا کر مداری گیا" والا معاملہ ہوا ہے۔ لیکن طرزِ عمل میرا یہی رہا ہے ــــ شاید آپ کو معلوم نہیں ہے کہ بھٹو کے دور میں ٹیلی ویژن پر جماعت اسلامی کی کردار کشی کی جو مہم شروع ہوتی تھی۔ اس میں مجھ سے بھی رابطہ قائم کیا گیا تھا اور مجھ سے کہا گیا تھا کہ آپ جو بات صحیح سمجھتے ہیں وہی بات ٹی وی پر کہیں ہم آپ کو Dictate نہیں کریں گے ــــ انہوں نے میرے سامنے مثالیں دیں کہ فلاں مولانا صاحب نے بھی حسب منشا بات کہی تھی اور اس پروگرام میں حصہ لیا تھا اور ان کی بات کو من و عن ٹیلی کاسٹ کیا گیا۔ لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں نے ان سے کہا تھا کہ اگر میں تمہارے غلط کام میں تعاون کر کے صحیح بات بھی کہوں گا تو وہ غلط ہو جائے گی اس لیے کہ درحقیقت یہ ایک غلط مہم ہے جو تم چلا رہے ہو اور میں جو بات کروں گا وہ بھی اس CONTEXT میں لی جائے گی جس میں ساری باتیں ہو رہی ہیں ــــ اور میں نے ان سے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ میرا معاملہ اگر ہوگا تو حُبّ علیؓ پر ہوگا، بُغضِ معاویہؓ پر نہیں مجھے جماعتِ اسلامی کے موجودہ طریق کار سے اختلاف ہے۔ اس کے فکر سے نہیں۔ میں جماعت کے مخالفین میں نہیں ہوں ــــ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جماعت اسلامی کے بارے میں میں نے اپنا اختلافی نقطۂ نظر بیان نہ کیا ہو ــــ ہو سکتا ہے کہ مجھے یہ خیال

آجاتا کہ اگر حکومت کی طرف سے ٹی وی پر اظہار خیال کی دعوت ملی ہے تو اس ذریعہ ابلاغ سے زیادہ وسیع پیمانے پر میں اپنا نقطہ نظر پیش کر سکوں گا۔ لیکن مجھے معلوم تھا ان حضرات کی نیتیں نیک نہیں تھیں اسلئے میں نے اس میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔

اس موقع پر مجھے وہ الفاظ یاد آرہے ہیں: كَلِمَةُ حَقٍّ اُرِيْدَ بِهَا الْبَاطِلُ "حق بات سے بھی باطل تقویت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے"

معلوم ہوا کہ سچی بات بھی ہو سکتی ہے جو غلط مقصد اور نیت کے لیے کی جا رہی ہو۔ اس لیے میں نے ان سے تعاون نہیں کیا لیکن اس کے برعکس اگر معاملہ یہ ہوتا کہ مجھے دعوت ملتی کہ آؤ اور ٹیلی ویژن پر درسِ قرآن دو تو میں ضرور قبول کرتا اور اگر میں نہ جاتا تو گویا میں اپنے مقصد کے ساتھ غدّاری کرتا۔

؎ میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

جہاں کہیں موقع ملا ہے میں گیا ہوں۔ بھٹو کے دور میں بھی اگر کبھی کسی ادارے میں جانے کا موقع ملا ہے تو میں نے وہاں جا کر بھی اپنی بات کہی ہے۔ NIPA میں میں گیا ہوں۔ کسی کالج میں خطاب کرنے کا موقع ملا ہے تو صحیح بات جو میں اب تک سمجھ پایا ہوں وہاں جا کر ضرور کہی ہے۔ کہ لوٹو قرآن کی طرف، پلٹو قرآن کی طرف اور رجوع کرو قرآن کی طرف! یہ ہے میرا CONSISTANT طرزِ عمل جو ہمیشہ سے رہا ہے۔ Confrontation یعنی الیکشن کی سیاست سے میں ہمیشہ کنارہ کش رہا ہوں۔ جہاں تک نظری سیاست کا تعلق ہے میں نے کئی مرتبہ عرض کیا ہے کہ میں اس کو دین کا جزو سمجھتا ہوں

؎ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

میں جس سیاست کا قائل ہوں وہ اسقدر مقدس کام ہے کہ میں نے اس پر آپ کو کئی مرتبہ یہ حدیث نبوی سنائی ہے۔ آج پھر سن لیجئے: كَانَتْ بَنُوْا اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ (بنی اسرائیل کی سیاسی زمام کار انبیاء کے ہاتھوں میں تھی)۔ یہ کونسی سیاست ہے جسکا ذکر اس حدیث میں ہے یہ نظری سیاست ہے نہ کہ الیکشنی سیاست۔ میں تو نظری سیاست کا قائل ہوں اور ہمیشہ سے قائل رہا ہوں۔ الیکشنی سیاست کو میں شجرِ ممنوعہ سمجھتا ہوں اور آج پھر آپ کو گواہ بنا کر عرض کر رہا ہوں کہ اس سیاست میں میں کبھی قدم نہیں رکھوں گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔ آپ کو علم ہے کہ ہم نے ایک تنظیم بنائی ہے جس کا مقصد سوائے اسکے اور کوئی نہیں کہ مل جل کر اور منظم ہو کر دین کا کام کیا جائے

آج میں آپ کو تنظیم اسلامی کی قرار داد تاسیس سے چند اوراق پڑھ کر سناتا ہوں، یہ قرار داد ۱۹۶۷ء میں اس وقت مرتب کی گئی تھی جب جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے اکابرین نے فیصلہ کیا تھا کہ ہمیں ایک جماعت بنا کر اور منظم ہو کر دین کا کام کرنا چاہیئے — یہ الگ بات ہے کہ اس موقع پر وہ تنظیم قائم نہ ہو سکی لیکن الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ میں نے ۱۹۷۵ء میں خود اس تنظیم کو قائم کیا۔ اس قرار داد کے الفاظ یہ ہیں

• تنظیم اسلامی کی قرار دادِ تاسیس کے بنیادی نکات میں سے دوسرا اہم اور بنیادی نکتہ یہ ہے کہ "دعوت کے ضمن میں ہمارے نزدیک 'الدین النصیحۃ' کی روح اور 'الاقرب فالاقرب' کی تدریج ضروری ہے ..." (اس نکتے کی توضیح ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ) "اس دعوت کا اصل محرک ابنائے نوع کی ہمدردی اور نصح و خیر خواہی کا جذبہ ہونا چاہیئے اور اس میں نہ تو اپنی شخصیت کی نمود کا کوئی شائبہ شامل ہونا چاہیئے نہ طلبِ جاہ کا حتیٰ کہ اللہ، رسولؐ اور شریعت کی وفاداری کے جذبے کے تحت اگر کبھی کسی فرد، گروہ یا ادارے پر تنقید کی نوبت آجائے تو اس میں بھی ہمدردی اور دلسوزی غالب رہے اور ذاتی رنجش یا انتقام کا کوئی شائبہ نہ پیدا ہونے پائے۔ اس سلسلے میں یہ وضاحت بہت ضروری ہے کہ ہمارے معاشرے کا مجموعی مزاج اگرچہ دین سے بہت دور جا چکا ہے اور اس اعتبار سے انتہائی اصلاح طلب ہے لیکن دعوت و اصلاح کے عمل میں دو حقائق کا لحاظ ضروری ہے ایک یہ کہ یہ معاشرہ ایک مجموعی اکائی ہے اور اس کے تمام طبقات میں اختلاط سرایت کر چکا ہے اس اعتبار سے اس کے مختلف طبقات میں کمیت کا تھوڑا بہت فرق چاہے موجود ہو کوئی بنیادی امتیاز موجود نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ اختلاط براہ راست نتیجہ ہے جذباتِ ایمانی کے ضعف اور کتاب و سنت کے علم کی کمی کا۔ اس میں دین دشمنی کا عنصر چند ایسی استثنائی صورتوں کے سوا موجود نہیں ہے جو اگرچہ بجائے خود تو بہت خطرناک ہیں اور ان سے خبردار رہنے کی بھی ضرورت ہے تاہم مجموعی اعتبار سے ہمارے معاشرے کے عام بگاڑ کا سبب دین دشمنی نہیں بلکہ دین سے لاعلمی ہے! حکومت اس معاشرے کا ایک جامع عکس اور اربابِ اقتدار اس کا اہم جزو ہیں ان کو اپنی اہمیت اور معاشرے میں

اثر و نفوذ کی قوت کے اعتبار سے دعوت و تخاطب میں اولیت تو دی جا سکتی ہے اور دی جانی چاہیئے لیکن انہیں دین کا دشمن قرار دے کر ان کے خلاف نفرت و عداوت کے جذبات پیدا کرنے کے لیے عوام کے دینی جذبے کو مشتعل کرنا درآں حالیکہ خود عوام کی ایک عظیم اکثریت کا حال دین سے بے خبری اور عملی بُعد کے اعتبار سے خود کم و بیش وہی ہے جو اصحاب قوت و اختیار کا، نہ ان کی خیر خواہی ہے نہ خود دین کی...."

یاد رہے کہ یہ بات ہم نے اس وقت کہی جب صدر ایوب "قوس لمین الملک" بجا رہے تھے۔ اس کے بعد ۱۹۷۵ء میں جب بھٹو صاحب برسر اقتدار تھے یہی بات کہی۔ میں نے یہ باتیں ہر دور میں کہیں ہیں کہ دین کے نام پر لوگوں میں اشتعال پیدا کر کے ہنگامے کھڑے کر دینے سے صرف منفی (Negative) کام ہو سکتا ہے، مثبت (Positive) کام نہیں ہو سکتا۔ ان ہنگاموں کی وجہ سے نقصان کس کو پہنچا؟ وہ اس ملک کو پہنچا ہے، نلک شگاف نعرے لگ گئے، جلوس نکل گئے اور ہنگامے ہو گئے، حکومت ختم ہو گئی لیکن پھر آپ وہی کے وہیں رہے جہاں سے چلے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایوب صاحب کو گرایا تو بھٹو صاحب قابض ہو گئے چ شامتِ اعمالِ باصورت بھٹو گرفت، اور پھر آپ نے اس کو ہٹایا تو پھر اب فوج ہے اور اب بھی وہی حال کہ بہت سی پارٹیاں فوج کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ چاہیئے تو یہ تھا کہ تمام توانائیاں اور قوتیں مثبت کام کی طرف صرف کر دی جاتیں، اس کام سے جو تبدیلی آتی وہ اگرچہ تھوڑی ہوتی اور تدریجاً ہوتی لیکن پائیدار اور مستقل ہوتی۔ میرا طرزِ عمل اس اساس اور بنیاد پر ہے" ذرا مزید ملاحظہ فرمائیں قرار داد تاسیس میں اگلا اقتباس"

"... رہا اقتدار کے حصول کی خاطر برسر اقتدار طبقے کے مخالف و معائد کی حیثیت اختیار کرنا تو یہ ہمارے نزدیک دینی نقطۂ نگاہ سے نہایت مضر ہی نہیں سخت مہلک ہے جس سے کلّی اجتناب لازمی و لابدی ہے۔ ہمارے نزدیک "ائمۃ المسلمین" اور "عامتھم" دونوں ہی نصح و خیر خواہی کے برابر کے مستحق اور دعوت و اصلاح کے یکساں محتاج ہیں! یہاں یہ تصریح بھی ضروری ہے کہ ہماری دانست میں انتخابات کے ذریعے عمومی اصلاح کا نظریہ نری خام خیالی پر مبنی ہے بحالت موجودہ تو اس امر کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں ہے کہ انتخابات کے

جماعتِ اسلامی

- کن مقاصد کے تحت قائم ہوئی تھی؟
- آزادی سے قبل اس کے نظریات کیا تھے؟
- قیامِ پاکستان کے بعد اس نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا؟ اور
- اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

جماعت کے ماضی و حال کا ایک تاریخی تجزیہ جماعت کے سابق کارکن کے قلم سے

تحریکِ جماعتِ اسلامی

ایک تحقیقی مطالعہ

تالیف

ڈاکٹر اسرار احمد ایم اے ایم بی بی ایس

سابق ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان و امیر جماعت اسلامی منٹگمری

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ

کرنے کا اصل کام، قیمت ایک روپیہ

تالیف: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ذریعے اصلاح کی امید کی جائے ویسے بھی ہماری رائے میں انتخابات میں
دوسری جماعتوں کے مخالف و مقابل کی حیثیت سے شرکت، دعوتِ اصلاح
کے صحیح نہج کے منافی ہے اور اس سے قبولِ حق کے دروازے بند ہو جاتے ہیں"

یہ ہے وہ نہج جس پر میں کام کر رہا ہوں اور آج سے نہیں ۱۹۶۷ء سے کر رہا ہوں۔ یہ تحریر بھی اُس وقت میرے قلم سے نکلی تھی اگرچہ اُس موقع پر ہمارے بزرگوں نے جہاں کہیں مناسب سمجھا کمی بیشی کر دی لیکن بنیادی طور پر یہ تحریر میری ہے۔ اسی نہج پر میں عمل پیرا ہوں میں اس کو ڈھکا چھپا نہیں رکھنا چاہتا، میں "میثاق" کا پرچہ بھی لایا تھا لیکن اب وقت نہیں ہے کہ میں اس کو پڑھ کر سناؤں۔

جماعت اسلامی سے میرا اصل اختلاف

مجھے جو دکھ ہے وہ یہ کہ جماعت اسلامی کا بھی ابتداً میں یہی موقف تھا وہ اس طریقے پر عمل پیرا تھی جس کو میں درست سمجھتا ہوں قیام پاکستان کے چند ہی سالوں بعد وہ اپنی غلط حکمتِ عملی کی وجہ سے سیاست کی دلدل میں پھنس گئی۔ میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میرا مولانا مودودی مرحوم سے کوئی تعلق نہیں، میں نے ہمیشہ یہ کہا ہے کہ میں ان کی گود میں پلا ہوں اور میں نے اپنی شعوری آنکھ اُن کی گود میں کھولی ہے میں نے اُن کی آنکھ سے دیکھنا اور اُن کے کانوں سے سننا سیکھا ہے انہیں کے دیئے ہوئے تصورِ منہاجِ دینی کو میں نے اختیار کیا ہے اور اسی پر آگے چل رہا ہوں اگرچہ اس میں کمی بیشی کا امکان ہے، البتہ اُن کی سیاسی حکمت عملی اور ان کی کتاب "خلافت و ملوکیت" سے میں اعلانِ برات کرتا ہوں جس کو میں بڑی مہلک کتاب سمجھتا ہوں انہوں نے دین کے لیے جو بنیادی کام شروع کیا تھا میرا موجودہ طریق کار وہی ہے۔ مجھے دکھ ہے تو اس بات کا کہ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے

CONFRONTATION کی پالیسی اختیار کی اور جو مواقع ان کو مل رہے تھے

ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہی کام کرتے رہتے جو قیام پاکستان سے قبل کر رہے تھے۔ قیام پاکستان سے قبل وہ عملی سیاست میں نہیں آئے اور انہوں نے تحریک پاکستان میں حصہ نہیں لیا، میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ انہوں نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی یا نہیں کی لیکن یہ تو متفق علیہ بات ہے کہ انہوں نے اس میں حصہ نہیں لیا۔ قیام پاکستان کے بعد جو اولین قیادت تھی اس میں آج کے مسلمانوں سے کہیں بہتر مسلمان تھے اس قیادت میں سردار عبدالرب نشتر جیسے لوگ موجود تھے

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور ڈاکٹر محمود حسین جیسے لوگ تھے، مولوی تمیز الدین اور خواجہ ناظم الدین جیسی شخصیتیں موجود تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ جیسی شخصیت قومی اسمبلی کی رکن تھی اس پہلی حکومت نے جماعت اسلامی کے ساتھ ہرگز کوئی معاندانہ روش اختیار نہیں کی تھی۔ مولانا مودودی مرحوم کے لیے ریڈیو کھول دیئے گئے کالجوں کے دروازے کھول دیئے گئے کہ وہاں جائیے اور اسلام کے نظام حیات کے موضوع پر تقاریر کیجئے۔ مولانا مودودی مرحوم کی بہترین تقریریں "اسلام کا نظام حیات" کے موضوع پر تھیں لیکن جلد ہی ان کی پالیسی Confrontation کی ہو گئی یعنی تم ہٹو! ہم نظام حکومت چلائیں گے اور میرے خیال کے مطابق بعد میں جو پیش آمدہ حالات ہیں ان کا سب سے بڑا سبب مولانا مودودی کا یہی غلط موقف تھا میں نے اس پالیسی سے جماعت میں رہتے ہوئے اختلاف کیا اس کی تبدیلی کی کوشش کی جب مجھے نظر آیا کہ یہ پالیسی تبدیل ہونی ممکن نہیں تو میں نے جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی اس کے بعد سے میرا طرز عمل وہی ہے جو ایک مسلمان کا ایک مسلمان حکومت کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

چنانچہ جب موقع ملا میں نے خطبات جمعہ میں منبر رسول پر کھڑے ہو کر حکمران وقت کو مشورے دیئے اور تنقیدیں کیں اور اب موجودہ مسلمان حکمران نے اس کا موقع دیا کہ اس کے پاس چل کر جاؤں اور اس کو مشورہ دوں تو آخر کیا حرج ہے میرے پاس کہ میں وہاں نہ جاؤں، آپ حضرات گواہ ہیں کہ میں نے آج تک صدر صاحب کی کوئی مدح سرائی نہیں کی اگر کی ہے تو صرف اس حد تک کہ ان میں سننے کی صلاحیت بہت ہے۔ بہت کڑوی کڑوی باتیں بھی سن سکتے ہیں اور میرے نزدیک یہ بھی بڑے صبر کا کام ہے۔ میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ کی صلاحیت تو اللہ نے ان کو خوب دی ہے اگر کہیں اللہ کرے کہ یَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ کا معاملہ بھی پیدا ہو جائے تو بیڑا پار ہو جائے گا۔ بہر حال اس وقت وہ حاکم ہیں آپ کو پسند ہو یا نہ ہو آپ بھی اس حکومت کو تسلیم کیے ہوئے ہیں جو شخص بھی بغاوت کا نعرہ لگا کر سڑک پر نہیں نکلا ہے وہ اس حکومت کو تسلیم کیے ہوئے ہے تو میرے نزدیک یہاں کے رہنے والے ہر شخص کو جو بھی اس حکومت کو تسلیم کیے ہوئے ہے پانچ باتوں پر اپنا معاملہ رکھنا چاہیئے۔

نمبر ۱:۔ صحیح کام میں تعاون کیا جائے

نمبر ۲:۔ صحیح مشوروں سے نوازا جائے

نمبر۳ :۔ غلط کام میں تعاون نہ کیا جائے ۔
نمبر۴ :۔ غلط کام پر تنقید کی جائے ۔ اور آخر میں
نمبر۵ :۔ اللہ سے دعا کی جائے کہ اے اللہ! تو نے اس وقت جس شخص کے ہاتھ میں حکومت کی ذمہ داری سونپی ہے اس کو صحیح سمجھ دے اور صحیح رخ پر اس کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔"

ہمارا معاملہ تو انشاء اللہ یہ رہے گا کہ صحیح بات کہیں گے اور صحیح بات میں تعاون کریں گے غلط بات پر تنقید کریں گے اور اس میں تعاون نہیں کریں گے چاہے تنقید کرنے سے اس حکومت کی طرف سے عتاب ہم پر نازل کیوں نہ ہو جائے ۔ درحقیقت اس پس منظر میں میرا وہ فیصلہ تھا کہ اگر وہ شخص مشورے کے لیے بلائے تو میں جاؤں گا لہٰذا جب مجھ سے پوچھا گیا کہ تم مجلس شوریٰ میں شرکت کے لیے تیار ہو تو میں نے حامی بھر لی اس لیے کہ یہ میرے موقف کے بالکل مطابق تھا وہ کون سی شرعی ، فقہی یا عقلی دلیل ہے کہ کوئی شخص مجھے مشورے کے لیے بلائے اور میں نہ جاؤں اگر کوئی مجھے ایسی کوئی دلیل دے سکے تو میں اس کا بہت مشکور ہوں گا اگر مجھے ایک بڑے پلیٹ فارم پر اور حکمران وقت کے سامنے اور ان لوگوں کے سامنے جن کے ہاتھوں میں ملک کی زمام کار ہے صحیح بات اور کلمۂ حق کہنے کا موقع دیا گیا ہے تو میرے پاس اس سے انکار کا کیا عذر ہے! اور میں الحمد للہ ثم الحمد للہ صدفی صد مطمئن ہوں کہ میرا یہ طرز عمل میری پالیسی اور نقطۂ نظر اور میرے اس سولہ سالہ موقف کے عین مطابق ہے ۔ اور میں نے کہیں اس سے انحراف نہیں کیا ہے البتہ میں آپ سے ایک بات ضرور عرض کر دیتا ہوں کہ میری CONSENT لینے سے قبل مجھے معلوم نہ تھا کہ اس شوریٰ میں کون کون اور کس کس قسم کے لوگ بلائے جائیں گے اور اس پہلے اجلاس میں شرکت کے بعد تین چیزیں ایسی آئی ہیں جنہوں نے مجھے اپنے اس فیصلے پر سوچنے کے لیے مجبور کیا ہے لیکن میں جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا ۔

پہلی یہ کہ صدر ضیاء صاحب کا یہ موقف کہ یہ صرف مشورہ نہیں ہے بلکہ حکومت میں شرکت کے بھی مترادف ہے اگر حکومت میں شرکت یا شراکت کا معاملہ ہے تو میں اس کے لیے کام کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں لیکن اگر صرف مشورے کا معاملہ ہے تو میں ضرور جاؤں گا ۔

دوسری یہ کہ میں نے وہاں دیکھا ہے کہ مجلس شوریٰ صرف اس کا نام ہے ۔ اصل میں یہ ایک پارلیمنٹ ——— کے طور پر کام (FUNCTION) کر رہی ہے ۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اگلی مرتبہ جو ہاں اس ISSUE کو بھی OPEN کروں کہ پارلیمنٹ کی طرز کے قواعد و ضوابط

کے تحت اگر کام کرنا ہے تو اس میں بہت سا وقت ضائع ہو جائے گا جو حضرات اُس پارلیمانی طرز سے واقف ہیں ان کو تو اس کے آداب از بر ہیں لیکن میرا حال تو یہ تھا کہ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تحریک التوا (Adjourn Motion) کس بلا کا نام ہے اور یہ کہ اس میں اور قرارداد (Resolution) میں کیا فرق ہوتا ہے ہمارے ایک دوست مولانا سمیع الحق صاحب کا معاملہ یہ ہوا کہ انہوں نے Adjourn Motion کو Resolution کے نام سے پیش کر دیا اور یہ MOTION خلاف قاعدہ سمجھ کر مسترد کر دی گئی مجھے وہاں تا حال صرف ایک ہی تقریر کا موقع ملا ہے جو خارجہ پالیسی پر تھی میں اس کا ذکر یہاں کرنا مناسب نہیں سمجھتا اس لیے کہ وہ اِن کیمرہ ہوئی تھی پرانے Parliamentarians کو خوب معلوم ہے کہ کس طرح کُود کر دریا میں بات کی جا سکتی ہے۔ میرے لیے تو شاید کافی عرصے تک وہ طور اطوار اور انداز اختیار کرنے ممکن نہ ہوں۔

تیسری بات یہ کہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ اس میں وقت بہت صرف ہو گا اور اگر میری ترجیح (Priority) کا معاملہ Suffer ہونے پر آگیا تو مجھے سوچنا ہو گا کہ میں کس چیز کے لیے اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کا کتنا حصہ صرف کر سکتا ہوں۔

یہ تین چیزیں ہیں جن کی بنا پر میں نظر ثانی کروں گا لیکن جہاں تک اصولی طور پر اُنکی دعوت پر لبیک کہنے کا تعلق تھا اُس پر میں اب بھی جازم ہوں۔ اس میں اصولی طور پر اگر کوئی مجھے ادھر کی طرف رہنمائی کر سکے تو میں اس کا مشکور ہوں گا۔ اگر ہم واقعتہً یہ محسوس کریں کہ کوئی مفید خدمت سرانجام دے سکتے ہیں اور دوسرے وہاں کے طریق کار میں کوئی تبدیلی آسکے تو ہم وہاں رہیں گے ورنہ نہج گذشتہ سے پیوستہ جیسے کہ یہاں باغ جناح میں جو استقبالیہ ہوا تھا اس میں کہا گیا تھا کہ ہم آپ کا محاسبہ کریں گے اور عوام کو بڑی امیدیں آپ سے وابستہ ہو گئیں ہیں تو میں نے ان سے عرض کیا تھا "آپ کے اس جملے سے مجھے بڑا خوف محسوس ہو رہا ہے صورت حال تو یہ ہے کہ میں آپ کا نمائندہ ہو کر جا ہی نہیں رہا ہوں مجھے تو ایک شخص نے اپنی شخصی حیثیت میں دعوت دی ہے کہ مشورے میں آکر شریک ہو جاؤ میں نے صرف اس پر لبیک کہا ہے نہ مجھے آپ کے محاسبہ کا ڈر ہے اور نہ مجھے یہ خوف ہے کہ مجھے واپس آکر آپ سے ووٹ مانگنے ہیں، میں تو نہ آپ کے ووٹوں سے جا رہا ہوں اور نہ کبھی آپ کے ووٹوں کی مجھے بھیک مانگنی ہے۔ میں اپنے آپ کو جوابدہ سمجھتا ہوں اپنے ضمیر کے سامنے ادا اپنے اللہ کے سامنے۔"

یہ ہے میرا موقف اس ادارے میں شمولیت کے ضمن میں۔ میں نے اس کی وضاحت اتنی تفصیل کے ساتھ اس لیے کر دی ہے کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کا مجھ پر یہ حق ہے۔ جو حضرات بھی دُور دراز سے چل کر جمعے میں آتے ہیں چاہے وہ میرے "کام" میں شریک ہوں یا نہ ہوں میں ان کا اپنے اوپر ایک حق سمجھتا ہوں۔ اگر وہ میری بات سننے آتے ہیں تو میرے اقدام سے اُن حضرات کو اگر کوئی تشویش لاحق ہوئی ہو اور ان کو احساس ہوا ہو کہ میں نے کہیں اپنے موقف میں ترمیم کر دی ہے تو مجھے اپنی طرف سے پوری وضاحت پیش کر دینی چاہیئے۔ میں اس پر بھی مطمئن ہوں کہ اس خطبۂ جمعہ میں میں نے کوئی سیاسی تقریر نہیں کی ہے میں نے تو ایک حدیث بیان کی ہے اور آپ کو یہ بتایا ہے کہ ایک مسلمان ملک میں جہاں کا حکمران بھی مسلمان ہو کے مقابلے میں ایک غیر مسلم ملک میں جہاں کا حکمران بھی غیر مسلم ہو ایک مسلمان کو کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے!

جو لوگ ان حالات کی تبدیلی میں فرق کو نہیں سمجھ پاتے وہی ٹھوکریں کھاتے ہیں اور اپنی قوتیں اور توانائیاں ضائع کر بیٹھتے ہیں۔ بس میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

أَقُوْلُ قَوْلِيْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

بقیہ :- تذکرہ و تبصرہ

ان کا اتحاد دونوں جماعتوں کے مفاد میں ہوگا۔ مولانا فضل الرحمان نے اس پر قاضی حسین احمد سے کہا کہ دونوں جماعتیں قریب کیسے ہیں، بلکہ جماعت اسلامی کے ساتھ تو ہمارے مذہبی اختلافات بھی ہیں۔ اس لئے اس پیش کش کے باوجود دونوں جماعتوں کے اتحاد کی تجویز پذیرائی پیش رفت نہیں ہو سکی۔"

دیکھا چاہیئے کہ کالعدم جماعت اسلامی کے ترجمان جنہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ایک تقریر کی ایک اخباری خبر پر نہایت تند و تلخ لہجے میں اخبارات کو ایک طویل بیان جاری کیا تھا وہ اس خبر پر کیا ردِ عمل ظاہر فرماتے ہیں!!

مُیثاق کی ایجنسی

حاصل کر کے اس کی توسیعِ اشاعت میں ہاتھ بٹائیے

- مُیثاق' عام معنوں میں صرف ایک رسالہ نہیں بلکہ دعوتِ رجوع الی القرآن' کی تحریک ہے جس کے ساتھ تعاون کی آسان ترین صورت یہ ہے کہ آپ 'میثاق' کی ایجنسی قبول فرمائیں۔
- 'ایجنسی' اپنے عام مفہوم کے اعتبار سے کاروباری لوگوں کی دلچسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دورِ جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کیلئے کامیابی کیساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زرِ تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینہ ایک پرچہ کی قیمت دیکر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے "میثاق" کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔

ٹیلی ویژن کے پروگرام "الھُدیٰ" کے ذریعے

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب قرآن حکیم کی دعوت کو جس وسیع پیمانہ پر پھیلا رہے ہیں۔ اس کے ہمہ گیر اثرات پاکستان کے شہروں ہی میں نہیں قصبات اور دیہات تک پہنچ رہے ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ "میثاق" کے ذریعہ اس دعوت کو مزید عام کیا جائے اور عوام الناس کو بندگیٔ رب، شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کے فرائض یاد دلا کر انہیں اجتماعی طور پر ادا کرنے کی تحریک برپا کی جائے۔ اس سلسلہ میں ہم اپنے تمام ہمدردوں اور کرم فرماؤں سے گذارش کریں گے کہ اپنے شہروں میں "میثاق" کی ایجنسی کا اہتمام فرمائیں بلکہ مزید تعاون یہ ہوگا کہ ہمارا ہر ہمدرد اور رفیق اس کی ایجنسی لیکر اس کارِ خیر میں معاون بن جائے۔

ایجنسی کی شرائط

- ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔
- کمیشن ۳۳ فی صد دیا جاتا ہے۔
- پیکنگ اور ڈاک کے اخراجات ادارہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔
- مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کر کے بذریعہ وی۔پی۔ روانہ کئے جاتے ہیں۔
- خریدے ہوئے پرچے واپس نہیں لئے جاتے۔

مینجر 'میثاق'

یہ امر مسلّم ہے کہ

کوئی دینی جریدہ اصحابِ ثروت کے تعاون کے بغیر نہیں چل سکتا

کاروباری صنعت کار حضرات کی

کے ساتھ تعاون کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ

اس میں اشتہار شائع کرائیں

نرخنامہ اشتہارات

سرورق:

آخری صفحہ	=/۱۵۰۰/ روپے فی اشاعت
دوسرا صفحہ (اندرونی)	=/۱۲۰۰/ روپے " "
تیسرا صفحہ (اندرونی)	=/۱۰۰۰/ روپے " "

اندرونی عام صفحات

پورا صفحہ	=/۸۰۰ روپے " "
نصف صفحہ	=/۵۰۰ روپے " "

نوٹ

۱ اشتہار میں نہ کوئی تصویر چھپے گی نہ دینی اعتبار سے کوئی قابل اعتراض مواد!
۲ 'میثاق' کے پورے صفحے کا سائز ۷" x ۴" ہے!
۳ کسی خاص ڈیزائن کے لئے پوزیٹو فلم مشتہر حضرات کو خود فراہم کرنی ہوگی،
۴ رنگین اشتہارات میں رنگ کے لئے ۵۰ فی صد مزید معاوضہ ہوگا۔
۵ منظور شدہ ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں کو ۱۵ فی صد کمیشن دیا جائے گا،
۶ خاص حالات میں مشتہر حضرات کو بھی رعائت دی جا سکتی ہے،

ہر مُسلمان پر

حسب صلاحیت و استعداد

قرآنِ مجیدؐ

کے مندرجہ ذیل پانچ حقوق عائد ہوتے ہیں

① ــــ ایمان و تعظیم ــــ یہ کہ اُسے مانے

② ــــ تلاوت و ترتیل ــــ یہ کہ اُسے پڑھے

③ ــــ تذکّر و تدبّر ــــ یہ کہ اُسے سمجھے

④ ــــ حکم و اقامت ــــ یہ کہ اُس پر عمل کرے

⑤ ــــ تبلیغ و تبیین ــــ یہ کہ اُسے دوسروں تک پہنچائے

ان حقوق سے واقفیت اور آگاہی حاصل کرنے کے لیے
جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی شہرۂ آفاق تالیف

"مُسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق"

کا مطالعہ اِن شاء اللہ العزیز بے حد مفید ہوگا

Regd. L. No. 7360

ٹھیکیدار حضرات

متوجه هوں ـــ !

نسٹرکشن اور مائننگ سے متعلق جمله مشینری
کے لیے هم سے رجوع کریں

HONDA GENERATORS	هنڈا جنریٹر
MIXER MACHINES	مکسر مشین
FLOOR GRINDING MACHINES	فلور گرائنڈنگ مشین
WATER PUMP	واٹر پمپ
VIBRATORS	وائبریٹرز
AIR COMPRESSORS	ایر کمپریشر

AND ALL KIND OF MINING MACHINERY

اور هر قسم کی مائننگ مشینری

البدر مشینری اسٹور

گارڈی ٹرسٹ بلڈنگ ، 42- تھورنٹن روڈ ، لاهور

ریفریجریٹرز، ایئرکنڈیشنرز اور فریزرز میں سب سے بہتر

سانیو

SANYO

خریدیئے

نوفراسٹ

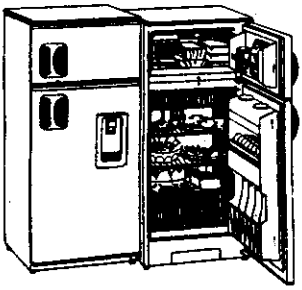

ریفریجریٹرز

۱۰ مختلف سائز میں۔ دلکش رنگوں میں حفاظتی تالے کے ساتھ۔ اشیاء کے ذخیرہ کرنے کی زیادہ گنجائش۔ بازار جانے کی کم زحمت۔ مکمل کارکردگی۔ آزمودہ ریفریجریٹرز بڑے قدوقامت کے ۳ دروازے والے فیملی ماڈلز سے لیکر مجرد اشخاص کے لئے چھوٹے ماڈل تک دستیاب

بے آواز

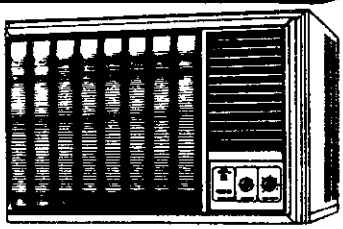

روم ایئرکنڈیشنرز

ٹھنڈا کرنے کی زیادہ صلاحیت بجلی کا کم خرچ
بہتر کارکردگی کے لئے آٹو ڈیفلیکٹر سے آراستہ۔

گنجائش ۱۸۰۰۰ تا ۲۴۰۰۰ بی ٹی یو

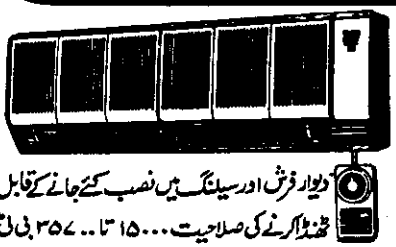

اِسپلٹ ٹائپ ایئرکنڈیشنرز

نیا روٹری کمپریسر آواز، ارتعاش اور بجلی کا خرچ کم کرنے کیلئے۔
دیوار پر نصب کیا جانے والا ڈیزائن کمرہ میں قابلِ استعمال جگہ بچاتا ہے
۲۴ گھنٹہ کا وقتی سوئچ۔
آئی سی تھرموسٹیٹ صحیح ٹمپریچر برقرار رکھنے کے لئے
۳۔اسپیڈ فین آپریشن سلیکٹر

دیوار فرش اور سیلنگ میں نصب کئے جانے کے قابل
ٹھنڈا کرنے کی صلاحیت ۱۵۰۰۰ تا ۲۵۷۰۰ بی ٹی یو

کرم فرما خصوصی توجہ فرمائیں:
مذکورہ مصنوعات خریدتے وقت ورلڈ وائیڈ کمپنی کی جاری کردہ پانچ سالہ گارنٹی ضرور حاصل کریں تاکہ سروس بعد از فروخت کی سہولت فوراً مہیا کی جاسکے۔

سول ایجنٹس برائے پاکستان:

ورلڈ وائیڈ ٹریڈنگ کمپنی

سانیو سینٹر شوروم اور سروس سینٹر۔ گارڈن روڈ۔ صدر کراچی
فون: ۷۷۲۶۴ - ۷۴۷۴۹ - ۷۴۷۰۰۷
پاکستان: کیبل "WORLDBEST" ٹیلکس 25109 WWTCO PK